ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۳ / نومبر ۹۶ء

☆ احیاء خلافت پر تمام مکاتب فکر کے علماء متفق نظر آئے (روداد اجتماع)
☆ مہاجر کراچی میں اقلیت میں بن چکے ہیں (احوال وطن)
☆ این۔ آئی۔ ٹی کو دانستہ نقصان کا شکار بنایا گیا (اقتصادیات)

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

عورت کی شامت

پاکستان میں عورت کی شامت آئی ہے۔ جوں جوں حالات زندگی گھمبیر ہوتے آ رہے ہیں توں توں عورت کی مصائب و مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر اس صورتحال کا بروقت تدارک نہ ہوا تو کوئی تحریک تو نہ چلے گی' کوئی انقلاب تو نہ آئے گا اور نہ ہی کوئی فتنہ برپا ہو گا' کہ ایسا کرنا عورت کے بس کی بات نہیں۔ البتہ معاشرتی زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ زندگی میں چاشنی ہر انسان کی دلی خواہش ہوتی ہے مگر چاشنی عورت کا خاصہ ہے' مرد کا نہیں۔ عورت کی جانب سے چاشنی جتنی رضاکارانہ' پاکیزہ اور مخلصانہ ہو گی اس میں اتنی ہی شیرینی زیادہ ہو گی اور جینے کا لطف اتنا ہی مزے دار ہو گا۔ عورت فطرتاً نرم خو ہے' جھینپ اس کی سرشت' تسلیم اس کی خصلت اور الفت اس کی ماتا ہے۔ لہٰذا عورت مرد کا وسیلہ تلاش کرنے اور مرد کا سہارا لینے پہ مجبور ہے۔ قدرت کی ودیعت کردہ ان خصوصیات کے پس منظر میں عورت ایک کمزور اور ناچار جنس نظر آتی ہے جس کا مرد ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس جہالت کا خوگر ہو جاتا ہے کہ عورت تو مرد کی لونڈی کے طور پر پیدا کی گئی ہے۔ اس وحشیانہ تصور کی نفی میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی عزت نفس اور اس کے حقوق کی نگہداشت کے بارے قرآن مجید میں واضح احکامات صادر فرمائے' جس کا اکمل نمونہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ چنانچہ اسلام کا یہ دعویٰ برحق ہے کہ دین اسلام ہی نے عورت کو صحیح مقام دلوایا۔ یہ دعویٰ بلاشبہ اپنی جگہ درست ہے' مگر کیا موجودہ دور میں اس پہ عمل بھی ہے؟ دور کیا جائیں' اپنے گھر ہی کی خبر لیں! خود ملامت کے طعنے کے ڈر سے اگر یہ کہا جائے کہ اس سوال کا جواب نفی میں نہیں تو بہرصورت یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جواب کلیہ اثبات میں بھی ممکن نہیں۔ مجموعی طور پر عورت ہمارے ہاں مرد کی بدسلوکی کا شکار ہے۔ یہ صورت حال صرف نچلے طبقے ہی میں نہیں بلکہ تعلیم یافتہ اور اونچے طبقے میں بھی ایسی ہی ہے۔ خود علماء دین اپنے گھرانوں میں دیانتدارانہ احتساب کر لیں' صورت کچھ مختلف نظر نہیں آئے گی۔ ایک طرف یہ فیصلہ کہ ولی کی اجازت کے بغیر عورت شادی نہیں کر سکتی اور دوسری طرف نہایت بے احتیاطی سے لڑکیوں کے رشتے طے کر دینے کا وتیرہ! اکثر و بیشتر رشتہ طے کرنے میں والدین کے مطمح نظر اور لڑکی کی امنگ میں ہم آہنگی نہیں ہوتی جس کے نتیجے میں کتنے ہی بے جوڑ میاں بیوی بے کیف زندگی بسر کر ڈالتے ہیں۔ کوئی تو ایسی پھیکی معاشرت میں پیدا ہونے والی اولاد کے نفسیات کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے غور کرے۔

طلاق لینے اور طلاق دینے کی شرح میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ بے شک دین اسلام نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے لیکن اس غیر مقبول عمل سے بچنے کے لئے چند واضح اصول بھی سمجھا دیئے جن کا شاید ہی عملاً کوئی احترام کرتا ہو۔ جس ہتک آمیز' غیر منصفانہ اور ظالمانہ انداز میں ہمارے ہاں طلاق دینے کا رواج ہے' اور کلنک کا ٹیکا جس طرح مطلقہ کے ماتھے پہ ٹھہر جاتا ہے اس نے باقاعدہ نکاح کے بندھنوں سے گریز کے میلان کو نئی نسل سے متعارف کرانا شروع کر دیا ہے جس کی اکا دکا خبر جعلی نکاح کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ یہ تباہ کن رجحان یورپ میں عام ہو چکا ہے' اس لئے نہیں کہ وہ لوگ فطعاً بدکردار ہیں بلکہ مرد کی عورت سے بدسلوکی نے یہ انجام پایا۔ وہاں کی عورت کا استدلال یہ ہے کہ اگر مرد عورت کے ساتھ اپنی مرضی کا سلوک روا رکھنے میں آزاد ہے تو عورت بھی ازدواجی زندگی میں اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ چنانچہ مشرقی تہذیب نے اگر اس ناسور سے بچنا ہے تو دین اسلام کی روح کے عین مطابق اپنی روش کو استوار کرنا ہو گا۔ ہمارے ہاں بگڑتی ہوئی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے کوئی دارالامان میں مقیم نوجوان عورتوں کے دل کی بات کان لگا کر سن لے یا ماتحت عدالتوں میں ذلیل و خوار ہونے والی خواتین کے دل کے پھپھولوں کی ٹھیس کا پتہ لگا لے۔

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

قیمت : ۸ روپے

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے ایمان والو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر'

(کہ طبعی طور پر انسان اپنی اور اپنے اہل خانہ کی خیر خواہی کا سب سے بڑھ کر طالب ہوتا ہے اور اسے سب سے زیادہ فکر خود اپنے اور اپنے اہل و عیال ہی کے مستقبل کی ہوتی ہے' لہٰذا ان اصحاب ایمان ویقین کی سب سے بڑی خواہش وکوشش جو اس دنیا کو کل زندگی نہیں سمجھتے بلکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ حقیقی اور ابدی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' یہی ہونی چاہئے کہ وہ اس دنیا میں اپنے اعمال صالحہ اور اپنی اولاد کی صحیح تربیت کے ذریعے خود اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے زیادہ سے زیادہ توشہ آخرت فراہم کریں اور اس نار جہنم سے بچاؤ کا سامان کریں جس کی حدت اور تپش کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ درختوں کی لکڑیاں اس آگ میں بطور ایندھن استعمال نہ ہوں گی بلکہ وہ پتھر.... کہ جن کی مورتیاں اپنے ہاتھ سے تراش کر انسان ان کے سامنے اپنی جبین نیاز کو جھکاتا تھا..... اور وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے منکر اور نافرمان تھے' اس آگ کے لئے ایندھن کا کام دیں گے)

اس پر مقرر ہیں تند خو اور سخت گیر فرشتے جو اللہ کے کسی بھی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے' اور جو حکم بھی انہیں دیا جائے بجالاتے ہیں ○

(اس دنیا میں انسان اپنے اہل و عیال کی محبت میں ان کے ناز نخرے اٹھاتا اور ان کی راحت و آسائش کی خاطر اور ان کی جائز وناجائز فرمائشوں کو پورا کرنے کے لئے بسا اوقات حلال و حرام کی تمیز اٹھا دیتا ہے۔ ایسا شخص اپنی اولاد کی دنیا بنانے کی خاطر وہ اپنی آخرت برباد اور اپنی منزل کھوٹی تو کر ہی چکا ہے' اپنی نادانی میں وہ اپنے اہل و عیال کو بھی اس راہ پر گامزن کرنے کا باعث بن رہا ہے جو بالآخر انہیں خسارے اور ہلاکت سے دوچار کرنے والی ہے۔ وہ شاید اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ آخرت میں اس کی نازو نعم میں پلی اولاد اپنی کج روی کے سبب اس جہنم کا نوالہ بننے والی ہے جس پر ایسے تند خو اور سخت گیر فرشتے مامور ہیں جن پر کسی کی آہ و فریاد کچھ اثر کرتی ہے نہ کسی کا نالہ وشیون ان کے دل کو موم کر سکتا ہے بلکہ جو کام بھی اللہ ان کے ذمے لگاتا ہے وہ سختی سے اس کی تعمیل کرتے ہیں)

اے کافرو' آج کے دن معذرتیں پیش نہ کرو' تمہیں بدلے میں وہی کچھ دیا جارہا ہے جو تم کرتے تھے ○

(کہ خورشید ہدایت کے طلوع ہونے اور کلام الٰہی کے نزول کے بعد حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا بالکل واضح اور عیاں ہو چکا ہے۔ لہٰذا کافروں اور منکرین کی کوئی معذرت اب درخور اعتنا نہ سمجھی جائے گی۔ روز قیامت ان کی بد اعمالیاں اور سیاہ کاریاں ہی عذاب کی شکل میں ان پر مسلط ہوں گی' کسی کی حق تلفی یا کسی ناانصافی کا وہاں کیا امکان!) (سورۃ التحریم' آیت نمبر ۶ تا ۷)

جوامع الکلم

اے فاطمہ' دختر محمد ﷺ اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو' اس لئے کہ اللہ کے حضور مجھے تم پر کوئی اختیار حاصل نہ ہو گا..... اور اے صفیہ' اللہ کے رسول کی پھوپھی' خود کو آگ سے بچانے کی فکر کرو' اس لئے کہ مجھے اللہ کے ہاں تمہارے بارے میں کوئی اختیار حاصل نہ ہو گا۔

(کہ جب سرور کونین' محبوب رب العالمین ﷺ اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اتنے واشگاف الفاظ میں متنبہ فرما رہے ہیں کہ اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچانے کی خود فکر کرو اور اپنے اعمال سے اپنی عاقبت خود سنوارنے کا اہتمام کرو کہ کوئی عزیزداری یا قرابت داری کا تعلق آخرت میں کام نہ دے گا تو ہما شما کس شمار قطار میں آتے ہیں!--- بعید نہیں کہ آنحضور ﷺ کا اپنے اہل و عیال کو اس طور سے متنبہ کرنا مذکورہ بالا حکم قرآنی کی تعمیل ہی میں ہو!) (الحدیث)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۴۱
۳/ نومبر ۹۶ء

22

ایڈیٹر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان

۴ - اے، مزنگ روڈ، لاہور

○

مقام اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

○

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

○

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

○

زر تعاون برائے بیرون پاکستان

☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

۴/ اکتوبر کو تنظیم اسلامی کے ۲۱ ویں سالانہ اجتماع کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے جہاں بین الاقوامی صورت حال اور امت مسلمہ کی موجودہ تشویش ناک کیفیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی، وہاں حالات و واقعات کی تیز رفتاری اور ان کی مخصوص ترتیب کے حوالے سے اس امکان کا اظہار بھی کیا کہ احادیث نبویہ میں "مہدی" کے عنوان سے جس شخصیت کا صراحت کے ساتھ ذکر ملتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب ان کی زیر قیادت عرب مسلمان، یہود کے خلاف صف آراء ہوں گے اور تاریخ انسانی کی وہ عظیم ترین جنگ جس کا ذکر کتب احادیث میں "الملحمہ العظمی" کے نام سے اور انجیل میں "آرمیگاڈان" کے نام سے ملتا ہے اب کچھ زیادہ دور دکھائی نہیں دیتی۔ امیر تنظیم کی اس تقریر کی رپورٹنگ اخبارات میں کیا شائع ہوئی، ایک دھوم مچ گئی کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول حضرت مہدی پیدا ہو چکے ہیں۔ بعض اخبارات نے اس معاملے کو اچھالنے میں غیر معمولی مستعدی کا مظاہرہ کیا۔ یہ مسئلہ پاکستان کے طول و عرض ہی میں نہیں بیرون پاکستان بھی بہت بڑے پیمانے پر موضوع بحث بن گیا۔ چنانچہ اس ضمن میں عوام الناس میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے اور احادیث صحیحہ کے حوالے سے حضرت مہدی کی شخصیت اور ان کے مجاہدانہ کردار کی مزید وضاحت کے لئے امیر تنظیم نے ۱۱/ اکتوبر کے خطبہ جمعہ میں بطور خاص اس مسئلے کو موضوع بحث بنایا۔ امیر تنظیم کا یہ خطاب نومبر ۹۶ء کے میثاق میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات مذکورہ بالا میثاق کا مطالعہ ضرور کریں۔

ملکی سیاست کے حوالے سے ان دنوں "قاضی صاحب کا دھرنا" ہر خاص و عام کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ان سطور کی تحریر تک قاضی صاحب اور ان کے کارکنوں کی حکومت کے ساتھ محاذ آرائی اپنے عروج پر ہے۔ قاضی صاحب اگرچہ تاحال پارلیمنٹ کے سامنے پہنچ کر دھرنا مار کر بیٹھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تاہم انہوں نے ابھی ہار نہیں مانی اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ "منزل مقصود" تک پہنچنے کی بھرپور کوشش میں مصروف ہیں۔ پنجاب کے مختلف شہروں اور راولپنڈی و اسلام آباد کی گلیوں میں جابجا جماعت کے ارکان اور پولیس کے تصادم کی خبروں نے ملکی سیاسی فضا میں ایک بار پھر ہلچل پیدا کر دی ہے تاہم یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!--- امیر تنظیم اسلامی نے ۲۵- اکتوبر کے خطاب جمعہ میں پاکستان کے داخلی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے محاذ آرائی کی اس سیاست کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا تھا۔ قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر اس خطاب کے پریس ریلیز کا متعلقہ حصہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے :

"ملکی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ملک ہمہ جہتی انتشار اور تمام شعبوں میں تباہی کا شکار ہو چکا ہے۔ حکومت کی اخلاقی ساکھ ختم ہو چکی ہے اور اب بے نظیر کے "پیران کلیسا" بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور حکومت کی تبدیلی اب نوشتہ دیوار بن چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یکے بعد دیگرے پاکستان میں مختلف حکومتوں کا جھٹکا کرنا غالباً آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی پالیسی کا حصہ ہے۔ آئی ایم ایف کی ہدایات پر مکمل عمل درآمد کے نتیجے میں کوئی بعید نہیں کہ عوام الناس کو بجلی کے قمقموں کی بجائے آئندہ چراغ جلانے پڑیں اور بجلی کی نعمت سے استفادہ صرف امیر لوگ ہی کر سکیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نواز شریف نے موجودہ حکومت کے مقابلے میں ایک مضبوط اور مستحکم اپوزیشن جماعت کھڑی کر دی ہے جس کا کریڈٹ نواز شریف کو دیا جانا چاہئے۔ موجودہ حکومت کی تبدیلی کے طریقہ کار کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تبدیلی دستوری طریقے سے آنی چاہئے۔ صدر اسمبلی توڑ سکتے ہیں لیکن اس صورت میں دستور کے مطابق الیکشن ہونے چاہئیں۔ ملک کی سیاسی گاڑی کو دستور کی پٹڑی سے ہٹانا تباہ کن ہو گا۔ حکومت اور اپوزیشن کے مابین مفاہمت کی بھی کئی شکلیں ہیں، اسمبلی کی مدت چار سال کی جا سکتی ہے، اس صورت میں بے نظیر بلا تاخیر نئے انتخابات کا اعلان کریں۔ احتسابی کمیشن سے نااہل قرار دیئے جانے والوں کو انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا جائے۔ آئین کے آرٹیکل ۶۲، ۶۳ کا تدریجاً نفاذ بھی مفید ہو گا۔ قاضی حسین احمد کے دھرنا پروگرام کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ "دھرنا مارچ" درحقیقت تصادم اور محاذ آرائی کی سیاست ہے جو ملکی سیاست کی گاڑی کو دستور سے ہٹانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا قاضی حسین احمد کی ہنگامہ آرائی پر مبنی سیاست کی حیثیت "ہارے ہوئے جواری کے آخری داؤ" سے زیادہ نظر نہیں آتی۔ گزشتہ انتخابات میں تمام پاپڑ پیلنے کے باوجود شکست سے دوچار ہو کر قاضی صاحب جماعت اسلامی کی صورت میں موجود مولانا مودودی کے بنائے ہوئے قیمتی اثاثے کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا دعوت و تربیت کے مراحل طے کئے بغیر قاضی حسین احمد نے تصادم کی راہ اختیار کر لی ہے جس سے دین و ملک کا کوئی بھلا نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں جہاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ملک کی پارلیمنٹ اور عدالتوں میں قرآن کی حکمرانی قائم نہیں ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے درکار بنیادی مراحل ابھی طے نہیں کئے گئے چنانچہ ان مراحل کی تکمیل کے بغیر حکومت مخالف دھرنے محض انتشار ہی کو جنم دیں گے"۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں !

عالم اسلام ایک سہ طرفی انقلاب کی زد میں ہے

محمد بدر منیر

گزشتہ تین سو سال میں تین قسم کے انقلابات آئے ہیں' اپنی نوعیت کا پہلا انقلاب فرانس میں آیا جہاں قیدیوں نے جیل کے دروازے توڑ کر انقلاب کا پرچم بلند کیا اور پھر پورے فرانس میں گلوٹین کی صنعت کئی سال تک فروغ پذیر رہی' ہزاروں افراد گلوٹین کی زد میں آئے ان میں انقلاب کے اپنے بھی تھے اور غیر بھی۔ موٹی اور پتلی دونوں گردنیں اس کی بھینٹ چڑھیں۔ کہتے ہیں کہ ملکہ فرانس جس نے اپنے عوام کو روٹی کی کی جگہ کیک کھانے کا مشورہ دیا تھا جب گلوٹین کے تیغے میں اپنی شکل دیکھی تو حیران رہ گئی یہ شکل اس کے عمل کے آئینے میں دکھائی دینے والی شکل سے مختلف تھی لیکن گلوٹین نے ملکہ کو اپنی حیرانی کا اظہار کرنے کی مہلت نہیں دی ورنہ شاید ملکہ کوئی اور مشورہ اپنے عوام کو دیتی' دوسری قسم کا انقلاب رواں صدی کے پہلے نصف میں روس اور چین میں آیا جو کسان لائے حالانکہ کمیونزم کے بانی کارل مارکس کا کہنا تھا کہ انقلاب مزدور لائیں گے اور تیسری نوعیت کا انقلاب ایران میں آیا جو علمائے کرام کا مرہون منت ہے۔ کیوبا کا انقلاب بھی کم و بیش کسان ہی لائے تھے۔ اگرچہ اس صدی میں اور بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں مثلاً خلافت عثمانیہ کا زوال' برطانیہ عظمیٰ کی برطانیہ صغریٰ میں منتقلی' سوویت یونین کے جغرافیہ کی تاریخ کے قبرستان میں تدفین اور برصغیر کی پہلے دو اور ازاں بعد تین حصوں میں تقسیم لیکن انہیں معروف معنوں میں انقلاب نہیں کہا جا سکتا۔ تاریخ کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ انقلابات بالخصوص نظریاتی انقلاب کبھی بھی انتخابات کے ذریعے نہیں آئے خواہ وہ فرانس کا جمہوری انقلاب ہو' چین اور روس کا اشتراکی انقلاب یا ایران کا اسلامی انقلاب' انقلاب کی آمد کا اپنا راستہ ہے اور یہ راستہ پولنگ سٹیشنوں سے کافی فاصلے پر ہے۔ تاریخ کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ جو انقلاب اپنے راستے پر چل کر آتا ہے وہی پائیدار ہوتا ہے۔ پاکستان میں انقلاب کے رومانوی تصور سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایوب خان اور بعد ازاں ضیاء الحق صاحبان نے اپنے اپنے مارشل لاؤں کو بھی انقلاب کا نام دیا لیکن ان کے انقلاب کے چہرے سے جلد ہی نقاب اتر گئی اور نقاب اترنے کے بعد انکشاف ہوا کہ یہ تو جمہوری یا اسلامی انقلاب کے پس پردہ "دیو استبداد" ہے۔

تاریخ کے قاضی کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ جو انقلاب اپنے بنیادی مقاصد کی حفاظت نہیں کرتا وہ ایک ایسا مریض ہے جو "آکسیجن ٹینٹ" میں ہی سانس لے سکتا ہے' آکسیجن کی نقاب ہٹتے ہی وہ دم توڑ جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان "انتخاب" کے ذریعے عمل میں آیا لیکن شاید یہ "انتخاب" ہی کا کرشمہ تھا کہ اس کے نتیجے میں قائم ہونے والی مملکت ایک نظریاتی مملکت نہ بن سکی حالانکہ اس دوران "مومن صفات" حضرات بھی اقتدار میں آئے اور وہ فوجی وردی کے باوجود ملک کو ایک نظریاتی ملک نہ بنا سکے البتہ انہوں نے چند ضروری اقدامات ضرور کئے جن کی مثال باورچی خانے (کچن نہیں) کی دیواروں پر سفیدی کرنے کے مترادف تھی۔ سازشی ذرائع کے ذریعہ تبدیلی کو "انقلاب" نہیں کہا جا سکتا اور نہ چہروں کی تبدیلی کو انقلاب کا نام دیا جا سکتا ہے۔ انقلاب تو ایک ہمہ گیر تغیر کا نام ہے جو معاشرے کے رنگ و روپ کو بدل دے۔ عوام کی اکثریت کو انقلاب کے بنیادی مقاصد سے ہم آہنگ کر دے اور پورے معاشرے پر اپنا فلسفہ اس طرح نافذ کرے کہ وہ انسانی معاشرے کے لئے ایک مثال مل جائے' اگرچہ انسانی تاریخ میں اس نوعیت کا ایک ہی انقلاب آیا ہے جو بہت مختصر عرصے کے لئے ہی قائم رہ سکا لیکن یہ مختصر عرصہ ہی پوری انسانی تاریخ کا خلاصہ ہے اور دنیا اب تک اس کی کوئی اور مثال پیش کرنے سے قاصر ہے یہ انقلاب وہ انقلاب تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور اس کا خطبہ حجتہ الوداع اس انقلاب کا روح رواں تھا--- یہی وجہ ہے کہ اس انقلاب نے آنے والی تاریخ پر اتنے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں کہ صدیاں گزرنے کے کے باوجود' بے پناہ سائنسی ترقی اور انسانی آبادی میں ہزاروں گنا اضافے کے باجود اس کے نقوش انسانی ذہنوں پر اتنے درخشاں ہیں کہ اکثریہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر انسان کو اپنی منزل کی طرف گامزن رہنا ہے اور اسے بخیر و عافیت گامزن رہنا ہے تو اسے اس روشنی میں اپنا سفر کرنا ہو گا---- اور یہ بھی کہ آج بھی انسان کے لئے اگر کوئی مثالی معاشرہ اور مثالی حکومت ہے تو وہ خلفائے راشدین کی حکومت ہے جس نے نہ صرف اپنی حدود مملکت میں انسان کو وہ سب حقوق دیئے تھے جن کی آج بڑے سے بڑا ترقی یافتہ ملک خواب تک بھی نہیں دیکھ سکتا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مختلف مسلم ممالک میں "اسلامی جمہوریت" یا "اسلامی سوشلزم" کی تحریک کی مسلسل ناکامی کے بعد مسلم دانشوروں نے ایک بار پھر چودہ سو سال قبل قائم ہونے والی خلافت راشدہ کا نظام قائم کرنے کے حق میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا ہے اور بعض نے تو اس مقصد کے لئے جدوجہد بھی شروع کر دی ہے۔ اس سلسلے میں تنظیم اسلامی اس لئے بھی قابل ذکر ہے کہ اس نے "جمہوریت" کے بے پناہ وسائل اور طاقت سے مرعوب ہوئے اور "بنیاد پرستی" کے طعنے کے باوجود "خلافت" کی تحریک شروع کی ہے اور اس سے عوام کے ایک بڑے طبقے کو متاثر بھی کیا ہے۔ آنے والے وقتوں میں اس کے کیا اثرات ہوں گے؟ اس کے متعلق مستقبل ہی کوئی فیصلہ دے سکے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب تک جتنی بھی نظریاتی تحریکیں چلی ہیں ان کا مقصد مستقبل ہی پر اثر انداز ہونا تھا اور ہے۔ تنظیم اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد کا دعویٰ ہے کہ افغانستان اور پاکستان ہی سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آفتاب طلوع ہو گا۔ جہاں تک موجودہ صورت حال کا تعلق ہے تو یہ آفتاب افغانستان میں تو طلوع ہو چکا ہے اگرچہ اس کی روشنی صبح صادق سے قبل کی روشنی ہے لیکن بہرحال روشنی تو ہے اور

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

مغربی ممالک مسلمانوں کو جدید ٹیکنالوجی کے قریب نہیں آنے دیتے

مسلمان حکمران جدید ٹیکنالوجی کیلئے کوشش کر کے بڑی طاقتوں کی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے

مسلمان ممالک اپنے کھوئے ہوئے وقار کو صرف دفاع اور تجارت میں خود کفالت کے ذریعے دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

"امپیکٹ" لندن کے' اکتوبر ۹۶ء کے میں شمارے میں شائع ہونے والا ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا انٹرویو

☆ مغربی طاقتیں نہیں چاہتیں کہ مسلم ممالک نیوکلیئر ٹیکنالوجی حاصل کریں۔ کیا آپ کے خیال میں دیگر اقسام کی ٹیکنالوجی کے حصول میں بھی یہی رکاوٹ درپیش ہے؟

○ بالعموم مغربی دنیا کی پالیسی یہی ہے کہ مسلم ممالک کو ایسے علوم اور فنی مہارت منتقل نہ کی جائے جس کی بدولت وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں اور مغرب کی اجارہ داری کو کسی بھی شعبے میں چیلنج کر سکیں۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے معاملے میں یہ پالیسی خاص طور پر نمایاں ہے۔ چنانچہ جو مسلم ممالک NPT پر دستخط کر چکے ہیں ان کے ضمن میں بھی نیوکلیئر ریسرچ ری ایکٹر تک کے حصول کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ پاکستان' عراق' لیبیا اور ایران سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو برطانیہ اور امریکہ میں نیوکلیئر انجینئرنگ اور متعلقہ شعبوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ پابندی دیگر ممالک کے طلبہ پر عائد نہیں ہے۔ ہمارے سائنس دانوں کو اکثر سائنسی کانفرنسوں میں شرکت کے لئے بھی برطانیہ یا امریکہ کے ویزے نہیں دیئے جاتے۔ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ بعض مخصوص شعبوں میں علوم اور فنی مہارت کی منتقلی کے سلسلے میں مختلف ممالک کے ساتھ مختلف نوعیت کا سلوک کیا جاتا ہے۔ ان پابندیوں کی کوئی قانونی بنیاد نہیں ہے۔ مغربی طاقتوں نے آپس میں معاہدے کر رکھے ہیں' اور وہی یہ طے کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے کس شے کی اجازت ہے اور کس چیز پر پابندی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان ملک اپنے ہاں غربت اور بھوک کو ختم کرنے کے لئے بھی فنی مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرے تو وہ ممنوعہ حدود میں قدم رکھنے کا مجرم قرار پاتا ہے اور باقاعدہ منظم طریقے سے اس ملک کو اس جسارت کی سزا دی جاتی ہے۔

☆ آج دنیا بھر میں کمپیوٹر کے بین الاقوامی "جال" کے ذریعے معلومات کا تبادلہ ہو رہا ہے' جسے Information Superhighway کا نام دیا گیا ہے کیا اس کے ذریعے سے جنوب اور شمال' یا مشرق و مغرب' کے درمیان فنی مہارت کے فرق کو کم کیا جا سکے گا؟

○ یہ بات بڑے زور و شور سے کہی جا رہی ہے کہ اہم معلومات اب کمپیوٹر اور ٹیلی فون لائین کے ذریعے ہر شخص کے گھر تک پہنچ رہی ہیں' لیکن اس میں کافی مبالغہ ہے۔ اگرچہ ذرائع ابلاغ کی ترقی نے پوری دنیا کو ایک چھوٹا سا گاؤں بنا دیا ہے' لیکن اس کے باوجود تجارتی یا دفاعی شعبوں میں فنی مہارت کا حصول آسان نہیں ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شعبوں میں ترقی کے لئے جس نوعیت کی معلومات درکار ہیں وہ اس Information Superhighway کے ذریعے حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ مثال کے طور پر نیوکلیئر ٹیکنالوجی سے متعلق بہت سی معلومات World Wide Web کے ذریعے قانونی طور پر حاصل ہو سکتی ہیں' لیکن ایک Centrifuge Rotating کا معمولی سا پرزہ بنانے کے لئے جس نوعیت کی تفصیلات اور اعداد و شمار درکار ہیں انہیں آج بھی راز میں رکھا جاتا ہے۔ عملی نوعیت کی یہ معلومات صرف پیشہ ور اور ماہر سائنسدانوں اور بڑے بڑے اداروں کے ذریعے اور کافی رقم خرچ کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔

☆ فرض کیجئے کہ اگر جدید معلومات اور ٹیکنالوجی کے حصول میں حائل رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں تو کیا آپ کے خیال میں مسلم ممالک کے پاس وہ سائنسی اور فنی ڈھانچہ موجود بھی ہے جو ان معلومات سے فائدہ اٹھانے کے لئے درکار ہو گا؟

○ اگرچہ مسلم دنیا میں بالعموم سائنسی اور فنی Infrastructure بہت کمزور ہے' لیکن کہیں کہیں مہارت کے مراکز بھی موجود ہیں۔ مثلاً پاکستان کے پاس ایک وسیع البنیاد نیوکلیئر پروگرام ہے جس نے کافی ترقی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسی طرح ملائشیا نے الیکٹرونکس کے شعبے میں غیر معمولی مہارت حاصل کر لی ہے۔ ترکی ایف ۱۶ جہازوں کے پرزے بنا رہا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر وسط ایشیاء کی ریاستوں میں ماہر اور تربیت یافتہ افراد کی معتدبہ تعداد موجود ہے۔ ہم اس تمام منتشر اور بکھری ہوئی مہارت کو جمع کر کے ایک مضبوط Infrastructure فراہم کر سکتے ہیں۔ جو مغربی دنیا کی طرف سے عائد ناجائز پابندیوں کے ختم ہونے کی صورت میں ہمارے لئے ٹیکنالوجی کی ترقی کا راستہ ہموار کر دے گا۔ بلکہ ہم دفاع اور تجارت کے شعبوں میں کئی قوتوں سے آگے نکل سکتے ہیں۔

☆ کیا مغربی دنیا کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کے علاوہ کچھ اندرونی وجوہات بھی مسلمانوں کی سائنسی و فنی پس ماندگی کی ذمہ دار قرار دی جا سکتی ہیں؟

○ جی ہاں' ہمارے زوال کے کئی اسباب ہیں' اور ان اسباب پر ۱۷ ویں صدی سے بحث ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں مسلمانوں میں سائنسی ترقی کے فقدان کی وجوہات میں سیاسی قائدین کی عدم دلچسپی' ناخواندگی' اداروں کی کمی' صنعتی ڈھانچے کی کمزوری اور معاشی اور انسانی وسائل کی کمی سرفہرست ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ سائنسی اور فنی ترقی کے لئے سیاسی قیادت کی طرف سے مسلسل حوصلہ افزائی ناگزیر ہے۔ مسلمان ممالک کی حکومتوں کا عام رجحان

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

مقتدر طبقے کی اصل ترجیح نظام کو بچانا ہے

ہمارے ہاں حکومت جب رخصت ہونے پر آتی ہے تو اسے "کام" یاد آنے لگتے ہیں

قرضے کوئی لے' ادا کوئی اور کرے !

سردار اعوان

کچھ عرصہ قبل حکومت کی تبدیلی کے جو آثار بڑی تیزی سے نمودار ہوئے تھے اور پھر معدوم بھی ہونے لگے تھے۔ ان میں حکومت کی طرف سے پیش کردہ حالیہ پندرھویں آئینی ترمیمی بل سے پھر سے جان پڑتی دکھائی دیتی ہے۔ بل کا اپنا اس میں کوئی کردار ہے یا نہیں' اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو بھی حکومت آتی ہے پہلے تو وہ خوب مزے اڑاتی ہے اور کسی بڑے سے بڑے کو خاطر میں نہیں لاتی لیکن جب اپنے کرتوتوں کے سبب بدنام ہو کر رخصت ہونے لگتی ہے تو اسے کام یاد آنے لگتے ہیں۔

اس وقت ملک کی مجموعی صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف مقتدر طبقہ ہے جو پوری طرح منظم اور تمام مادی وسائل سے لیس ہے اور جس کی اولین ترجیح موجودہ نظام کو "بچانا" ہے جبکہ دوسری طرف عوام کالانعام ہیں۔ جو ہر قسم کے وسائل سے محروم اور منتشر ہی نہیں منقسم اور باہم دست و گریبان ہیں۔ چنانچہ انہیں نہ تو نظام سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ یہ سوچنے کی فرصت کہ ملک ڈوبتا ہے یا تیرتا۔

متذکرہ بالا مقتدر طبقہ کے علاوہ کچھ گروہ یا افراد ایسے بھی ہیں جن کا شمار مقتدر طبقے میں تو نہیں ہوتا لیکن انہیں جو وسائل میسر ہیں ان کی بنا پر توقع رکھتے ہیں کہ جلد یا بدیر وہ بھی مقتدر طبقے میں شامل ہو جائیں گے چنانچہ ان کی ہمدردیاں بھی موجودہ نظام کے ساتھ ہیں۔

اسی طرح عوام الناس میں بھی قلیل تعداد میں سہی لیکن ایسے لوگ موجود ہیں جن کا جینا اور مرنا کسی نہ کسی مقتدر گروہ یا شخصیت کے ساتھ وابستگی پر منحصر ہے اور ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ کے مصداق انہیں یہ امید ہے کہ کبھی نہ کبھی ان کی تمام امیدیں بر آئیں گی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ملک میں مقتدر طبقے کو ایسی فیصلہ کن بالادستی حاصل ہو اس کے نظام کو کون سا خطرہ لاحق ہے جس سے اسے بچانے کی باتیں کی جاتی ہیں۔ بظاہر ایک ہی خطرہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ جس طرح امریکہ بہادر نے روس کی ٹھکائی کرانے اور اسے اپنی حدوں کے اندر پابند کرنے کے لئے جو مجاہدین تیار کئے تھے وہ بعد میں اپنی مرضی کے مالک بن گئے اور انہوں نے امریکہ کے ہاتھوں میں کھیلنے سے انکار کر دیا اسی طرح لگتا ہے کہ ہمارے ہاں کے مقتدر طبقہ نے عوام پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے جو "مسلح فوج" تیار کی تھی وہ اپنی الگ ایک خود مختار سلطنت قائم کرنا چاہ رہی ہے جب تک اس فوج کا رخ عوام کی طرف رہا سب ٹھیک تھا' لیکن حال ہی میں بعض ایسے واقعات ہوئے ہیں جن سے اس آگ کے مقتدر طبقہ کے اپنے گھروں تک پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے اور یہی وہ خطرہ ہے جو موجودہ نظام کو لاحق ہو سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

یہاں ممکن ہے کہ یہ خیال دل میں آئے کہ اس طرح مقتدر طبقے کو جب اپنی پڑ جائے گی تو عوام پر اس کی گرفت ڈھیلی ہونے سے عوام کی نجات کی کوئی صورت پیدا ہو جائے گی لیکن عموماً ایسا ہوتا نہیں ہے کہ بغیر کوئی جدوجہد کئے اور قربانی دیئے کسی معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کے آپ ہی آپ دن پھر جائیں۔

البتہ ایک اہم سوال یہ ہے کہ جب ملک بڑی تیزی سے طوائف الملوکی کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اس ملک میں رہ کر مقتدر طبقے کو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر کیا پڑی ہے کہ اس نظام کو بچانے کی جدوجہد کرے۔ اس کے پاس وسائل اور دولت کی کمی نہیں ہے۔ دنیا میں جہاں چاہے سکون اور امن کی زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتدر طبقہ عوام پر حکمرانی کو اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کا یہ حق غصب کرنے کی جرات کر سکتی ہے۔ اور پھر اس طبقے کو حکمرانی سے جو مراعات اور فوائد حاصل ہیں ان کی حفاظت کے لئے کہیں قربان دینی پڑ جائے تو یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔

نظام کے حوالے سے بڑی کثرت سے تجاویز پیش کی جا رہی ہیں کہ یہ خامیاں دور کر لی جائیں تو موجودہ نظام بہترین نتائج کا حامل ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ نظام میں کوئی خرابی نہیں ہے اسے چلانے کے لئے آج مخلص اور باصلاحیت لوگ فراہم ہو جائیں تو قوم کی تقدیر بدل جائے گی۔ ایک نحیف سی یہ آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا اور یہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ چنانچہ جب تک یہاں قرآن و سنت پر مبنی حقیقی اسلام نافذ نہیں کریں گے ہمیں اللہ سے بدعہدی اور اسلام سے انحراف کی پاداش میں سزا پہ سزا ملتی چلی جائے گی۔ یہ بات خاصی وزنی اور معقول دکھائی دیتی ہے کہ جب ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے پاس اللہ کا دیا ہوا مکمل ضابطہ حیات موجود ہے تو اسے عمل میں کیوں نہیں لاتے۔

اس کا سادہ سا جواب تو یہ دیا جاتا ہے کہ مقتدر طبقہ نہیں چاہتا کہ یہاں اسلام کا عادلانہ نظام آئے اور اسے ان بے پناہ مراعات اور اختیارات سے ہاتھ دھونے پڑیں جو اس وقت اسے حاصل ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عوام اسلام کا عادلانہ نظام چاہتے ہیں؟ مگر اس کے لئے پہلے یہ بتانا ہوگا کہ اسلام کے عادلانہ نظام سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ ہر گھر میں فریج۔ ٹی وی اور دیگر جدید سہولیات آ جائیں گی؟

ہمارے ایک دوست نے کسی عادلانہ نظام کی جو ظاہر ہے اسلام ہی ہو سکتا ہے ایک بہت سادہ سی تعریف کی ہے جو بظاہر خاصی حقیقت پسندانہ نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تو کسی ملک میں دولت کی ریل پیل ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی جھلک معاشرے

کی نچلی ترین سطح پر بھی نظر آنی چاہئے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک قحط اور بدحالی کا شکار ہے تو اس کے اثرات اعلیٰ طبقے میں بھی محسوس ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ مقتدر طبقہ قرضے لے کر ملک کا دیوالہ نکال دے اور انہیں واپس کرنے کے لئے عوام کا کچومر نکالا جائے۔

اس ضمن میں دوسری بات ان کی یہ ہے کہ ایک عام آدمی اگر یہ محسوس کرے کہ اس کی کہیں حق تلفی ہوئی ہے تو حکومت کے کسی ذمہ دار فرد تک اپنی شکایت پہنچا کر اسے اطمینان محسوس ہو کہ اب بات حکومت تک پہنچ چکی ہے لہٰذا جو بھی ممکن ہو گی اس کی دادرسی کی جائے گی۔

ہمارے ہاں احتساب اور قانون کی حکمرانی جیسی خوبصورت اصطلاحات کے استعمال میں کبھی بھی بخل سے کام نہیں لیا گیا لیکن عملاً آج تک ان کی کوئی افادیت سامنے نہیں آ سکی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اصطلاحات محض عوام کو بہلانے بلکہ بے وقوف بنانے کے لئے گھڑی جاتی ہیں موجودہ بحران کو ہی لے لیجئے۔ حکومت "مخالف" عناصر ایک عرصے سے دہائی دے رہے ہیں کہ فلاں فلاں ملک کو لوٹ کر کھا گیا ہے۔ لیکن جب فلاں فلاں کی بات سنتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ پرہیزگار اور نیک شخص تو دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں سوال یہ ہے کہ ایک آدمی کو آخر اس چکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ اللے تللے لوٹ مار کے پیسے سے ہو رہے ہیں یا "حلال" کی کمی سے وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف دولت کے وہ انبار ہیں جو جتنے خرچ کئے جائیں اتنے ہی بڑھتے ہیں اور دوسری طرف ملکی وسائل تیزی سے معدوم ہو رہے ہیں۔ گویا بات وہیں آ گئی کہ اگر لوگوں کو ہر طرف لوٹ کھسوٹ نظر آ رہی ہے تو اسے عادلانہ نظام نہیں کہا جا سکتا خواہ نظری اعتبار سے وہ عادلانہ نظام ہی ثابت ہوتا ہو۔

ایسا عادلانہ نظام کیسے قائم ہو جسے لوگ محسوس بھی کریں اس بارے میں شاید ہی کوئی دو آراء ہو سکتی ہوں کہ اس کے لئے وہ افراد چاہئیں جن کی دیانت اور امانت محسوس کی جا سکے اور ایسے افراد باہم مل کر ایک منظم طاقت فراہم کریں اور میدان میں آ کر ظلم اور جبر و استبداد کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں۔OO

ہمارا اصل مسئلہ اسلام سے انحراف ہے

رحمت اللہ بٹر، ناظم تربیت تنظیم اسلامی پاکستان

آج کل اسلامی جمہوریہ پاکستان سے کرپشن، مہنگائی اور دوسری برائیوں کو ختم کرنے کے لئے مختلف تجاویز سامنے آ رہی ہیں۔ کہیں احتسابی کمیشن زیر غور ہے تو کہیں زرعی ٹیکس پر جاگیرداروں کو راضی کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس طرح کی اصلاحی کوششیں درحقیقت انہیں لوگوں کے ذریعے روبعمل لانے کی "تگ و دو" ہے جو اس خراب صورتحال کے ذمہ دار ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے احتساب کا ایسا عمل جو انتظامیہ اور مقننہ دونوں کو اسلامی قانون کا پابند بناتا ہے اس کا نفاذ عدلیہ کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے عدلیہ کو حکومت اور پارلیمنٹ سمیت ہر ادارے کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہئے جب کہ خود عدلیہ کے احتساب کے لئے قانونی گنجائش موجود ہونی چاہئے۔ ہمارے ملک میں اس وقت پارلیمانی نظام رائج ہے۔ موجودہ پارلیمانی نظام میں انتظامیہ اور مقننہ کے محاسبے کی قطعاً گنجائش موجود نہیں ہے۔ عدلیہ کے ارکان کے تقرر کا اختیار بالفعل وزیراعظم کی خوشنودی کا مرہون منت ہے۔ ان حالات میں عدلیہ کی آزادی کا تصور محض ایک نظریاتی تصور بن جاتا ہے جب کہ اصل بااختیار ادارہ حکومت ہے۔ حکومت خود پارلیمنٹ کی تائید و حمایت کی مرہون منت ہے۔ پاکستان جیسے ممالک میں پارلیمانی کی بجائے صدارتی نظام زیادہ موزوں ہے۔ قومی ادارے بہترین صلاحیت کے حامل افراد پر مشتمل ہوں اور پارلیمنٹ سمیت سب انتظامی اداروں کا محاسبہ ہو۔ مثلاً ہمارے ملکی دستور میں شق نمبر ۶۲ اور ۶۳ موجود ہیں لیکن ان دفعات پر عمل درآمد کے لئے ایک بااختیار الیکشن کمیشن کی ضرورت ہے جو ایسے افراد کو پارلیمنٹ کا ممبر بننے سے روک سکے جو آئین میں درج مطلوبہ شرائط پر پورا نہ اترتے ہوں۔ موجودہ نظام میں الیکشن کمیشن کی تشکیل ہو بھی گئی اور اس کمیشن کو انہی اداروں کے تابع کر دیا گیا تو اس کا نتیجہ مثبت کی بجائے منفی ہی ہو گا۔ ہمارا اصل مسئلہ مختلف قسم کے احتسابی کمیشن بنانا نہیں ہے بلکہ اصل ضرورت اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کی ہے۔ جو موجودہ نظام میں قطعاً ممکن نہیں ہے۔ ہمارا آئین دراصل چوں چوں کا مربہ ہے۔ آئین میں اسلامی دفعات بھی شامل ہیں جب کہ غیر اسلامی دفعات کو بھی آئین میں تحفظ دیا گیا ہے۔

بحیثیت قوم ہم زبان سے یہ راگ الاپتے رہتے ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا مکمل ضابطہ حیات ہے جو پوری انسانیت کو کامیابی کی ضمانت دیتا ہے لیکن عملاً ہم اسلام کو ناقابل عمل سمجھتے ہیں اور اسلام کی بجائے ہم نے دوسرے نظاموں کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ اصل مسئلہ موجودہ نظام کی تبدیلی ہے نہ کہ اس کی بعض اہم دفعات کی اصلاح و ترمیم۔ ہمارا حکمران طبقہ چونکہ مغربی طرز تعلیم کے زیر اثر غیر اسلامی طرز زندگی سے متاثر ہے اس لئے وہ دین اسلام کو بھی "عیسائی مذہب" کے مترادف سمجھتا ہے۔ تمام ممالک میں مروجہ آئین انسان ساختہ ہیں۔ چنانچہ آج کا انسان اللہ کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی من پسند زندگی پر کسی قسم کی پابندی برداشت نہیں کرتا۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن نے بجا فرمایا کہ اصل ضرورت موجودہ نظام کی بساط لپیٹنے کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نظام کی تبدیلی صرف اسلامی انقلاب کے ذریعے ہی ممکن ہے جب کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایسے انقلابی کارکنوں کی ضرورت ہے جو اپنے ذاتی مفادات کی قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کر کے پہلے خود اسلام کے حقیقی تقاضوں پر عمل کریں اور ممکن حد تک برائیوں سے اپنے دامن کو پاک کریں۔ اسی چیز کی دعوت دوسرے لوگوں کو دی جائے اور یوں نظام کی تبدیلی کے لئے منظم قوت مجتمع کرتے ہوئے انقلابی و تربیتی مراحل طے کئے جائیں جو انقلاب کے داعی اعظمؐ نے اختیار فرمائے۔ اپنے اخلاق کو اسلامی نظریات کے مطابق ڈھالنا، اس نظریئے کے ابلاغ کے لئے تمام ذرائع اختیار کرتے ہوئے تمام مصائب برداشت کرنا اور ایسی انقلابی جماعت تیار کرنا جو باطل نظام سے ٹکر لے کر اللہ کی حاکمیت کو بالفعل نافذ کر دے۔ ہمارے حکمران طبقہ نے عادلانہ نظام کے نفاذ کی بجائے اسلام کو بزرگوں کے مزاروں پر غسل دینے اور تسبیح گھمانے تک محدود کر رکھا ہے جب کہ زندگی کے اجتماعی معاملات یعنی سیاست، معیشت اور معاشرت کو اپنی مرضی اور پارٹی نظریات کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ اس دوغلے پن اور فرعونی روش کو ترک کئے بغیر ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے۔

مہاجر کراچی کی آبادی میں ایک اقلیت بن چکے ہیں

نئی مردم شماری نئے امکانات اور نئے موسموں کی نوید ہوگی

ہمارے ملک میں ہر بد نظمی اور بد امنی کی خاک سے ایک "خاکی پوش" بر آمد ہوتا ہے

قومی مزاج بدلنے والوں کو قوم کے پیچھے چلنے کے بجائے قوم کی رہنمائی کے منصب پر فائز ہونا چاہئے

ماہنامہ "ساحل" کراچی اکتوبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہونے والی ایک چشم کشا تحریر

حقائق بڑے تلخ ہوتے ہیں اور ہمارا قومی شعور ابھی تک تلخ حقائق کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اعداد و شمار کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں اور اس گھبراہٹ سے بچنے کے لئے بار بار حکمران مردم شماری ملتوی کر دیتے ہیں۔ کراچی ان دنوں نئے سیاسی سفر کی تلاش میں ہے اور کچھ نئے مہربان اس شہر کی قسمت بدلنے کے لئے میدان میں اتر آئے ہیں۔ ایک مہربان جنہیں جنوبی سندھ کا پرچم عطا کر دیا گیا ہے بڑے زور و شور سے سندھ کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اس مطالبے کے محرکات بھی سب کو معلوم ہیں۔ یہ تمام مطالبات اپنی جگہ مگر حقائق کا آئینہ کچھ اور کہتا ہے۔

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق جسے اردو بولنے والے گروہ کے کسی مذہبی' سیاسی رہنما یا ترجمان نے ابھی تک متنازع نہیں ٹھہرایا ہے۔ کراچی کے ۵۴ فیصد افراد کی مادری زبان اردو تھی جس کا مطلب یہی ہے کہ ۱۹۸۱ء میں مہاجر صرف چار فیصد عددی اکثریت رکھتے تھے جبکہ ۱۹۷۰ء میں یہ شرح ۶۸ فیصد تھی۔

تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق دسمبر ۱۹۹۵ء تک کراچی میں ایک کروڑ تیس لاکھ شناختی کارڈ جاری کئے جا چکے ہیں' جبکہ دسمبر ۱۹۸۶ء تک شہر کراچی میں ایک کروڑ شناختی کارڈ جاری کئے گئے تھے۔ چونکہ آبادی کا ۴۵ فیصد حصہ بچوں پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا کراچی میں ۱۸ سال سے کم عمر لوگوں کی تعداد ۶۰ لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس طرح کراچی کی اصل آبادی سرکاری اعداد و شمار کے مطابق دو کروڑ ہے۔ اس آبادی میں وہ غیر ملکی شامل نہیں جو رضاکارانہ طور پر نقل وطن کر کے کراچی میں مستقل آباد ہو چکے ہیں۔ ان کی تعداد شامل کر لی جائے تو یہ آبادی دو کروڑ اکیس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ پندرہ فیصد وہ شہری اور دیہی آبادی ہے جس نے ابھی تک شناختی کارڈ نہیں بنائے ہیں۔ اس طرح کراچی کی کل آبادی ڈھائی کروڑ تک پہنچ جاتی ہے جو دنیا کے گنجان ترین شہر ٹوکیو سے صرف پندرہ لاکھ کم ہے۔ اقوام متحدہ کے جاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۹۴ء میں ٹوکیو اپنی آبادی کے لحاظ سے پہلے نمبر پر اور کراچی دسویں نمبر پر تھا لیکن حقیقی اعداد و شمار کے مطابق کراچی آبادی کے لحاظ سے دنیا بھر میں دوسرے نمبر کا شہر ہے۔ لہٰذا اس شہر کے مسائل سے نمٹنے کے لئے ہمیں ایک وسیع اور ہمہ گیر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ کراچی کی آبادی میں لسانی گروہوں کی تعداد اور مختلف انتخابی حلقوں میں ان کی عددی اکثریت کا جو تخمینہ لگایا گیا ہے وہ نہایت حیران کن اور چونکا دینے والا ہے۔ اس وقت کراچی کی کل آبادی میں پنجابی زبان بولنے والوں کا تناسب ۲۵ فیصد' پختون ۲۰ فیصد اور دیگر زبانوں کا تناسب ۱۵ فیصد ہے۔ اس طرح اردو بولنے والے لوگ جو مہاجر کہلاتے ہیں کراچی کی آبادی میں اب صرف چالیس فیصد رہ گئے ہیں اور ایک اقلیت بن چکے ہیں۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری میں ان کا یہ تناسب صرف ۵۴ فیصد تھا جو کم ہوتے ہوتے اب صرف چالیس فیصد رہ گیا ہے۔ اگرچہ یہ آج بھی کراچی کی نہایت متحرک' موثر اور فعال اقلیت ہے اور اپنی حرکت پذیری سو فیصد خواندگی' چرب زبانی' گہرے سیاسی سماجی شعور کے باعث کراچی کی غالب اکثریت محسوس ہوتی ہے لیکن حقائق' دلائل' شہادتیں' دستاویزات' سرکاری اعداد و شمار یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ بے پناہ منظم اور موثر سہی' کراچی میں آباد تمام لسانی گروہوں کے سامنے چھوٹی سی اقلیت ہیں جن کو ابلاغی اداروں کی مکمل معاونت حاصل ہے جہاں آج بھی دوسرے لسانی گروہوں سے وابستہ صحافی برائے نام ہیں۔

کراچی میں قومی اسمبلی کے پانچ حلقوں میں کئے گئے لسانی جائزے کے مطابق اردو بولنے والے ووٹروں کی تعداد دیگر زبانیں بولنے والوں سے بہت کم ہے۔ وہ اقلیت میں ہیں لیکن نتائج ہمیشہ برخلاف نکلتے ہیں جس کی وجہ دیگر لسانی گروہوں کی سماجی رسومات' جہالت' ناخواندگی اور سیاسی دائروں سے گریز پائی کے علاوہ دیگر وجوہات بھی ہیں۔ صرف چار انتخابی حلقے ایسے ہیں جہاں اردو بولنے والے واضح اکثریت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الطاف حسین نے کبھی شہری آبادی کے لئے نئی مردم شماری کے مطالبے پر زور دینا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اس طرح وہ اپنی طاقت پانے کی بجائے کھو سکتے تھے۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پورے ملک میں شہری اور دیہی آبادی کا تناسب بدل چکا ہے اب صرف چالیس فیصد آبادی دیہاتوں میں رہ گئی ہے اور ساٹھ فیصد آبادی شہری علاقوں میں منتقل ہو چکی ہے۔ مردم شماری بار بار ملتوی کرنے کا اصل محرک یہی خوف ہے جو اعداد و شمار کے سانچے میں ڈھلنے کے بعد پاکستان کے پورے سیاسی منظرنامے کو بدل کر رکھ دے گا اور کسی صوبے میں کوئی جاگیردار وزیر اعلیٰ منتخب نہیں ہو سکے گا۔ یہ

حقائق جان لینے کے بعد انتظامی سیاسی زرعی اور عسکری اشرافیہ نے نئی مردم شماری سے دانستہ گریز کیا ہے اور یہ گریز جاری رہے گا۔ کراچی کے صحرا میں افکار کے نئے نخلستان آباد کرنے والوں سے ہم یہی کہنا چاہتے ہیں کہ وہ نئے حقائق کی روشنی میں نئی حکمت عملی طے کریں۔ اس شہر سے زبان کی بنیاد پر ووٹ لینے کا رویہ ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ پچھلے تین انتخابات میں ہماری مذہبی جماعتوں نے بھی اپنے امیدواروں کے لئے لسانی استعارے خوبصورتی سے استعمال کئے۔ جماعت اسلامی نے سید منور حسن کے تعارفی کتابچے میں اس بات کا ذکر ضروری سمجھا کہ انہوں نے دہلی سے پاکستان ہجرت کی۔ قومی مزاج بدلنے والوں کو قوم کے پیچھے چلنے کے بجائے قوم کی رہنمائی کے منصب پر فائز ہونا چاہئے اور یہ منصب ہوا کے رخ پر چلنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کراچی اور پاکستان کی سطح پر ایک نئی صف بندی کی ضرورت ہے۔ یہ صف بندی ظالم اور مظلوم کے مابین ہونی چاہئے مگر یہ صف بندی دیہی اور شہری معاشروں کی خلیج بن کر ابھر رہی ہے اور جاگیردار اور صنعت کار کی سیاسی جنگ ایک نیا میدان دیکھ رہی ہے۔ آنے والے اندیشوں کے پیش نظر بے نظیر بھٹو نے کہہ دیا ہے کہ آئندہ آبادی کی بنیاد پر مالیاتی نظم قائم نہیں کیا جائے گا بلکہ علاقوں کی پسماندگی کے تناسب سے مالیاتی معاملات طے کئے جائیں گے۔ یہ بیان اس خوف کی عکاسی کرتا ہے جو آبادی کی نئی صف بندی کے باعث پیدا ہو رہا ہے۔ گزشتہ سطور میں جو اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں وہ بظاہر بڑے بے ضرر محسوس ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان کے باطن میں ایک نئے منظرنامے کے پورے امکانات ایک نئی تب و تاب کے ساتھ نمایاں ہیں۔ دیہی اور شہری خلیج کو کم کر کے اسے ظالم اور مظلوم کا رخ دینا ضروری ہے پہلے سندھیوں کو شکایت تھی کہ وہ صوبے میں اقلیت بن چکے ہیں اور وہ ریڈ انڈین بننے پر تیار نہ تھے مگر اب صرف سندھی ہی نہیں مہاجر بھی اس صوبے میں اقلیت بن چکے ہیں، لیکن اکثریت اور اقلیت کے پیمانے صرف سیاسی اور سماجی مفادات کے پیمانے ہیں۔ تاریخی حقائق ان پیمانوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ نئے منظرنامے میں کراچی جیسے حالات ملک کے مختلف شہروں میں کسی بھی لمحے رونما ہو سکتے ہیں۔ نئی مردم شماری نئے امکانات اور نئے موسموں کی نوید ہو گی۔ سیاسی، انتظامی، عسکری اور زرعی اشرافیہ کو فراخ دلی کے ساتھ یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ وہ پہلے بھی اقلیت میں تھے اور اب عملاً اقلیت بن چکے ہیں۔ دنیا بھر میں دیہی معاشرے شہری معاشروں میں ڈھل چکے ہیں اور دیہی علاقوں سے شہری علاقوں میں نقل مکانی کا رجحان صرف کراچی سندھ اور ملک کے شہری علاقوں تک محدود نہیں یہ ایک عالمی مسئلہ ہے اور اسے نسلی اور لسانی تناظر میں دیکھنے کی بجائے عملی، علمی اور عالمی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ مردم شماری کے مسئلے کے حل پر بہت سے مسائل کے حل کا انحصار ہے۔ نئی مردم شماری پورے ملک کے اقتصادی، سیاسی نظام کی بنیادیں ہلا دے گی اور جاگیردارانہ معاشرے کو بھونچال سے گزرنا ہو گا۔ ملک میں بار بار مذہبی تصادم برپا کرانے اور سیاسی عدم استحکام پیدا کرنے کا ایک اہم ترین سبب امن عامہ کی آڑ میں مردم شماری کو دانستہ ملتوی رکھنا ہے۔ جن معاشروں میں بدنظمی عام ہو جائے وہاں فطری طور پر لوگوں کے ذہن بدنظمی سے بچنے کے لئے آمریت کو بخوشی قبول کر لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں ہر بدنظمی اور بدامنی کی خاک سے ایک خاکی پوش برآمد ہوتا ہے۔

(ماہنامہ "ساحل" کراچی)

اطلاع برائے قارئین

میثاق، حکمت قرآن، ندائے خلافت اور قرآنک ہورائزنز

حکومت پاکستان کی جانب سے حالیہ 5 فیصد سیل ٹیکس عائد کئے جانے کے سبب قارئین سے التماس ہے کہ آئندہ جرائد کا سالانہ زرتعاون درج ذیل شرح سے ارسال فرمائیں۔

○ ندائے خلافت : 158 روپے ○ Quranic Horizons : 105 روپے

○ میثاق : 105 روپے ○ حکمت قرآن : 84 روپے

والسلام

سرکولیشن مینیجر

امیر تنظیم اسلامی کے نئے دروس بزبان انگریزی

امریکہ میں ریکارڈ شدہ

☆ THE BATTLE OF BADAR
☆ STRUCTURE OF ISLAMIC STATE WITH REFERENCE TO SURAH AL-NOOR
☆ JIHAD BIL-QURA'N
☆ HOW TO ESTABLISH DEEN IN AN ISLAMIC STATE
☆ COLLECTION OF KHUTBAT (Different Occussions and Topics)

یہ کیسٹ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

یاسر عرفات کے تحت کام کرنے والی پولیس بھی عرفات کے طریق کار سے متفق نہیں

واشنگٹن سربراہی ملاقات نے یہود کو خوشی اور مسلمانوں کو مایوسی کے علاوہ کچھ نہیں دیا

فلسطین کی موجودہ صورتحال کے بارے میں "حماس" کا موقف' از قلم : ڈاکٹر رشدی عثمان

یہود نے مشرقی بیت المقدس پر جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کیا تھا۔ مذکورہ عرب اسرائیل جنگ میں عرب ممالک نے مغربی کنارے سے دریائے اردن تک کا علاقہ' غزہ کی پٹی' شام میں جولان کی پہاڑیوں اور جزیرہ نما سینا کے علاقے کھوئے تھے۔

اس وقت سے یہود نے مسجد اقصیٰ اور قبتہ الصخرہ کے نیچے سرنگیں کھودنے کا کام شروع کر رکھا تھا' تاکہ عبدانی اثار قدیمہ کو دریافت کر کے یہ بات ثابت کر دیں کہ یہ جگہ دراصل یہودی معبد کے جگہ ہے اور جب دنیا پر یہ ثابت ہو جائے کہ دینی اور تاریخی حوالوں سے یہاں پر یہود کا حق ہے' وہ مسجد اقصیٰ کو گرا دیں۔

اس مقصد کے لئے یہود ایک صدی سے زیادہ عرصے سے منصوبہ بندی کر رہے ہیں' جب عالمی صیہونی تحریک وجود میں آئی اور اس ارض مقدس پر اپنے قبضے' اسرائیلی ریاست کے قیام' مسجد اقصیٰ کو گرانے اور عظیم تر اسرائیلی ریاست (جو عراق میں دریائے فرات سے مصر کے دریائے نیل تک بشمول مدینہ منورہ ہوگی) کے قیام کے منصوبے کا اعلان کیا۔

اسرائیلی دینی امور کی وزارت اور اثار قدیمہ کے محکمے نے ۱۹۸۷ء میں ایک سرنگ دریافت کی جو مسجد اقصیٰ کے نیچے سے گزر کر "براق" سرنگ تک جاتی ہے' "براق" ایک اور سرنگ ہے جو بیت المقدس کے مشرق سے شروع ہو کر شہر کے دوسرے کنارے تک جاتی ہے۔ وزارت دینی امور اور محکمہ آثار قدیمہ نے اس سرنگ کو صاف کر کے ڈیڑھ سال پہلے کھولنے کے لئے تیار کیا تھا جس میں واحد رکاوٹ اسرائیلی سیاسی قیادت کی عدم اجازت تھی' سابق اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابین نے اصولی طور پر سرنگ کھولنے سے اتفاق کرتے ہوئے اس کے کھولنے کے وقت کے اختیار کو اپنے پاس محفوظ رکھا تھا۔ یہی پالیسی اس کے جانشین شمعون پیریز کی رہی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسجد اقصیٰ کے نیچے کھدائی اور سرنگ کھولنے کا کام بڑی حد تک اسحاق رابین اور شمعون پیریز کی قیادت میں لیبر پارٹی کی حکومت میں مکمل ہوا ہے' جس کو عبدانی ریاست کے صدر وایزمین کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔

گزشتہ اپریل مئی میں لیبر پارٹی کے شمعون پیریز اور لیکوڈ پارٹی کے نتن یاہو کے درمیان انتخابی دوڑ میں دونوں جماعتوں نے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ برسراقتدار آ کر مسجد اقصیٰ کے نیچے سرنگ کھول دیں گے۔

اسرائیل کی سلامتی امور کی کابینہ کمیٹی نے ۲۴ جنوری ۹۶ء کو "خشمونی" سرنگ کھولنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن فلسطین اور عالم اسلام کی سطح پر رد عمل کے پیش نظر سیاسی طور پر اس فیصلے کے نفاذ میں تاخیر کی گئی' یہانتک کہ موجودہ اسرائیلی وزیراعظم بن یامین نتن یاہو نے اپنے مشیروں' خاص طور پر اسرائیلی داخلی انٹیلی جنس "شاباک" کے سربراہ "عامی ایالون" (جس نے سرنگ کھولنے کا فیصلہ کیا تھا) سے مشورے کے بعد ۲۵ ستمبر ۹۶ء کو سرنگ کھولنے کی ہدایت کی۔

یہ سرنگ ۴۸۸ میٹر لمبی بیت المقدس کے عرب سیکٹر کے نیچے ہے اور جنوب مغربی جانب میں دیوار "براق" اور حرم قدسی سے شروع ہو کر باہر جانے والے اس راستے سے جاملتی ہے جس کے بارے میں اسرائیلی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ یہ "الالام" اور باب الاسباط تک پہنچے گی۔

سرنگ کھولنے کے اسرائیلی فیصلے نے اسرائیل فلسطین سرکاری تعلقات کی کشیدگی میں اضافے اور امن کے تابوت میں آخری کیل کا کام کیا' اگرچہ یہ کشیدگی گزشتہ مئی میں نتن یاہو کی قیادت میں لیکوڈ پارٹی کی کامیابی سے شروع ہوئی تھی' اسی وقت سے نتن یاہو کی دائیں بازو کی حکومت نے عرفات اتھارٹی اور معاہدہ اوسلو کے بارے میں واضح طور پر جارحانہ پالیسی اختیار کی ہے' جس پر اسحاق رابین کی لیبر پارٹی کی حکومت نے ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو عرفات کے ساتھ دستخط کئے تھے۔

نتن یاہو پالیسی کے اہم نکات درجہ ذیل ہیں :

۱ ۔ علیحدہ فلسطینی ریاست کے قیام سے انکار۔

۲ ۔ پچاس لاکھ فلسطینی مہاجروں کی ملک واپسی سے انکار۔

۳ ۔ بیت المقدس کی تقسیم سے انکار اور اس کی اسرائیلی ابدی دارالحکومت کی حیثیت پر اصرار اور مذاکرات میں بیت المقدس کی حیثیت پر بحث کرنے سے انکار۔

۴ ۔ جولان کی پہاڑی سے فوجی انخلاء سے انکار۔

۵ ۔ مقبوضہ جنوبی لبنان سے فوجی انخلاء سے انکار۔

۶ ۔ معاہدہ اوسلو پر نظرثانی کی ضرورت اور خاص کر الخلیل سے فوجی انخلاء کے نقطہ پر دوبارہ غور۔ اگرچہ طے یہ تھا کہ اسرائیل گزشتہ مارچ تک الخلیل کے بیشتر حصے خالی کرے گا لیکن یہ وعدہ تا حال وفا نہیں ہو سکا اور اسرائیلی حکومت مختلف حیلوں سے اس کو ٹال رہی ہے۔

۷ ۔ بیت المقدس کو یہودی اکثریت کا شہر بنانے کے لئے وہاں اور مغربی کنارے میں مسلسل عرب زمینوں پر قبضہ یہودی بستیوں کے قیام اور یہودیوں کو آباد کرانے کی پالیسی کا تسلسل۔

۸ ۔ مشرقی بیت المقدس میں تنظیم آزادی فلسطین کے دفاتر کو یاسر عرفات کی مرضی سے بند کیا۔

۹ ۔ فلسطینی علاقوں کی مسلسل ناکہ بندی اور فلسطینی محنت کشوں پر اسرائیلی اداروں میں کام کرنے پر مسلسل پابندی جس کی وجہ سے رواں سال کے پہلے نصف کے دوران بے روزگاری میں ۶۵ فیصد اضافہ ہوا۔

۱۰ ۔ یاسر عرفات انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات میں عدم دلچسپی خاص طور پر بیت المقدس' مہاجرین کی

واپسی' یہودی بستیوں' گزر گاہوں' سرحدوں اور پانی جیسے اہم مسائل' جس کو مذاکرات کے آخری مرحلے کے لئے موخر کیا گیا تھا۔

اسرائیل کی ان انتہا پسندانہ پالیسیوں کی وجہ سے عرب حکمران مخمصے میں ہیں' خاص طور پر وہ جنہوں نے امن معاہدات پر دستخط کر کے اپنی قوموں کے ساتھ امن' معاشی ترقی اور حقوق کی واپسی کی وعدے کئے تھے۔

سب سے زیادہ نقصان یاسر عرفات اور اس کی اتھارٹی اٹھا رہے ہیں جنہوں نے اسرائیل کی ہر بات تسلیم کی لیکن نتیجے میں ان کو کچھ بھی نہ ملا' بلکہ مسائل اور بڑھ گئے' بحران پر بحران آتے رہے اور سارے وعدے ہوا ہو گئے۔

جب اسرائیل کے سرنگ کھولنے کے فیصلے پر فلسطینی قوم احتجاجاً اٹھ کھڑی ہوئی تو یاسر عرفات نے ان مظاہروں کا سیاسی فائدہ اٹھانا چاہا اور اس کو القدس کا بڑا معرکہ کہا' تاکہ اسرائیل حکومت پر دباؤ ڈال کر اس کو الخلیل کے مسئلے پر اور اوسلو معاہدے کے نفاذ کے متعلق مذاکرات پر مجبور کرے۔ لیکن اسرائیلی وزیراعظم نتن یاہو نے یاسر عرفات کی یہ کوشش ناکام بنا دی اور کہا کہ عرفات ان مظاہروں کے ذریعے اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں لیکن اسرائیلی حکومت ایسے کسی دباؤ میں نہیں آئے گی اس نے مصری صدر مبارک سے حالات کو قابو میں لانے کی اور عرفات پر دباؤ ڈالنے کی اپیل کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ اسی لئے اس نے امریکہ کی دعوت پر واشنگٹن میں یاسر عرفات کے ساتھ سربراہی اجلاس میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی۔

یہود نے فلسطینی مظاہرین کو دبانے کے لئے فوج استعمال کی اور تقریباً ۷۵ فلسطینیوں کو قتل کیا' جن میں ایک تعداد یاسر عرفات کی پولیس کی بھی ہے جو یاسر عرفات کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اور اسرائیلی قبضے سے انکار کرتے ہوئے اپنی قوم کے ساتھ اسرائیلی اسلحے کے مقابلے میں آ گئے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یاسر عرفات کے تحت کام کرنے والی پولیس بھی عرفات کے طریق کار سے فلسطینی قوم کی طرح متفق نہیں' اور اسرائیلی قبضے کے خلاف مزاحمت جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

موجودہ احتجاجی تحریک جب شروع ہوئی تو یاسر عرفات کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اس کی حمایت کرے۔ اس نے اسرائیل کے ساتھ مذاکرات بحال کرنے کے لئے کچھ شرائط لگائیں۔

۱۔ مسجد اقصیٰ کے نیچے کھودی جانے والی سرنگ کو بند کیا جائے۔

۲۔ معاہدہ اوسلو کے مطابق الخلیل سے انخلاء

۳۔ فلسطینی شہروں اور دیہاتوں کی ناکہ بندی کا خاتمہ اور فلسطینیوں کو امدورفت کی آزادی۔ اس اعلان کے ساتھ لوگوں میں امید کی کرن پیدا ہوئی کہ شائد عرفات کا موقف تبدیل ہو گیا اور اب وہ اپنی قوم کے شانہ بشانہ اسرائیلی قبضے کے خلاف مزاحمت کرے گا۔

لیکن جونہی امریکی صدر کلنٹن نے واشنگٹن میں سربراہی اجلاس کی دعوت دی' عرفات نے فوراً رضامندی کا اظہار کیا اور لوگوں کی امیدیں پھر ختم ہو گئیں۔ عرفات اپنی شرائط اور یہود کے ہاتھوں بننے والے بے گناہ فلسطینیوں کے خون کو بھول کر واشنگٹن سدھار گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ واشنگٹن ملاقات کا مقصد صرف اور صرف معاہدہ اوسلو کا نفاذ تھا اور عرفات کو سرنگ یا بیت المقدس کی حیثیت پر بات کرنے کی اجازت تک نہیں دی گئی۔ واشنگٹن سربراہی ملاقات نے یہود کو خوشی اور مسلمانوں کو مایوسی کے علاوہ کچھ نہیں دیا اور عرفات خالی ہاتھ واپس لوٹ آیا حتیٰ کہ مذاکرات اور امن کے عمل کے بارے میں کوئی نئی بات بھی نہیں طے ہو سکی۔ البتہ عرفات نے وعدہ کیا کہ وہ فلسطینی قوم کو سرنگ اور اسرائیلی قبضے کے خلاف احتجاج کی اجازت نہیں دے گا' جبکہ یہود نے کوئی وعدہ نہیں کیا اور ابھی تک سرنگ کھلی رکھنے اور کھدائی کا کام جاری رکھنے پر مصر ہیں۔

نتن یاہو نے صاف کہا کہ سرنگ کبھی بھی بند نہیں ہو گی اس طرح معاہدہ اوسلو اور الخلیل سے انخلاء کے موقف پر بھی یہود ابھی تک قائم ہیں۔ اس لئے کوئی تبدیلی نہیں آئی اور مسجد اقصیٰ کے لئے اپنا خون قربان کرنے والے شہداء کی قربانیاں ضائع گئیں۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ عرفات کے پاس مسجد اقصیٰ کی آزادی اور اسرائیلی قبضے کی مزاحمت کا کوئی سنجیدہ اور طویل المیعاد پروگرام نہیں' بلکہ وہ صرف اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کا خیال رکھتا ہے اور اس کا سارا سیاسی کھیل صرف معاہدہ اوسلو کا نفاذ ہے جس کی وجہ سے فلسطین' مسجد اقصیٰ اور فلسطینی مسلمان قوم کے حقوق ضائع ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانان عالم جانتے ہیں کہ "حماس" کا موقف شروع سے صحیح اور اٹل رہا ہے جس کے مطابق "حماس" نے ذلت کے تمام معاہدوں کو مسترد کیا ہے۔ اور یاسر عرفات کے موقف کو اپنانے سے انکار کیا ہے جس پر وہ آج بھی اپنے امریکی اور یہودی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے قائم ہے۔ "حماس" نے فلسطینی قوم اور امت مسلمہ سے اپیل کی ہے کہ موجودہ احتجاجی تحریک کو بھرپور طریقے سے جاری رکھا جائے اور مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی حفاظت کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔

فلسطینی قوم اپنی جانوں اور خون کی قربانی دے کر دنیا کو یہ بتا رہی ہے کہ سرزمین مقدس سے دستبرداری اس میں افراط و تفریط اور اس کے قبضے پر خاموشی ممکن نہیں۔ "حماس" نے عرفات اتھارٹی سے مطالبہ کیا ہے کہ فلسطینی جیلوں میں بند سینکڑوں "حماس" کے مجاہدین کو رہا کر دے تاکہ وہ یہود کے خلاف معرکے میں شریک ہوں۔ "حماس" نے یاسر عرفات اتھارٹی سے اپیل کی ہے کہ اپنی قوم میں واپس آ کر یہود کے ساتھ گفت و شنید بند کر دے اور معاہدہ اوسلو کے خاتمے کا اعلان کر کے بیت المقدس کی آزادی کے واحد راستے یعنی مزاحمت اور جہاد کو اپنا لے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی ایک راستہ ہے۔ مصر نے جزیرہ نما سینا کو ۱۹۷۳ء میں جنگ کے ذریعے ہی واپس لیا۔ اس طرح عرفات کی غزہ واپسی ۱۹۹۴ء میں تب ممکن ہوئی جب یہود ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۴ء تک "حماس" کی قیادت میں چلنے والے انتفاضہ کے نتیجے میں اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے پر مجبور ہو گئے۔

تاریخ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ یہود امن کی نہیں بلکہ قوت کی زبان سمجھتے ہیں' جو اسرائیلی قبضے کے خاتمے اور بیت المقدس کی آزادی کا واحد ذریعہ ہے۔ یہ حقیقت آئندہ آنے والا وقت بھی ثابت کرے گا جب اسرائیلی امن کے حامی اپنی غلطیوں کی سنگینی کو جان لیں گے اور پشیمان ہوں گے۔ اور فیصلہ وہی ہو گا جو فلسطینی قوم کا فیصلہ ہو گا۔ اور باطل نے تو شکست کھانی ہی ہے اور حق کو غالب آنا ہی ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

امیر تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات پر مشتمل
بعنوان:
عیسائیت اور اسلام
کتابی شکل میں دستیاب ہے

روداد اجتماع

احیاء خلافت کے مسئلے پر تمام مکاتب فکر کے علماء متفق و متحد نظر آئے

نظام خلافت محض وعظ و نصیحت اور دعاؤں سے نہیں، بھرپور انقلابی جدوجہد کے ذریعے قائم ہو گا

تنظیم اسلامی کے ۲۱ ویں سالانہ اجتماع کے موقع پر منعقدہ "دوسری عالمی خلافت کانفرنس" کی روداد

محبوب الحق عاجز

تنظیم اسلامی پاکستان کے حلقہ جات لاہور ڈویژن، گوجرانوالہ ڈویژن، غربی پنجاب، شمالی پنجاب، آزاد کشمیر اور سرحد کا سالانہ اجتماع ۴، ۵، ۶/اکتوبر کو لیاقت باغ راولپنڈی میں منعقد ہوا۔

اس موقع پر "دوسری عالمی احیاء خلافت کانفرنس" کا انعقاد بھی شایان شان طریقے سے کیا گیا۔ خلافت کانفرنس کے پروگرام عمومی نوعیت کے تھے اور اس میں شرکت کی عام دعوت تھی۔

کانفرنس کی کارروائی چار اجلاسوں پر مشتمل تھی جن میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے اہل علم و دانش کو مدعو کیا گیا تھا۔ ذیل میں اس کانفرنس کی روداد پیش کی جا رہی ہے۔

پہلا افتتاحی اجلاس

خطاب جمعہ --- ڈاکٹر اسرار احمد

خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب جمعہ پر مشتمل تھا۔ اور یہی تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کا بھی افتتاحی خطاب تھا۔ یہ خطاب لیاقت باغ میں تیار کی گئی جلسہ گاہ میں ہونا تھا لیکن بارش کی وجہ سے لیاقت باغ کے باہر پختہ فرش پر کرنا پڑا۔ رفقائے تنظیم کے علاوہ شرکاء کثیر تعداد میں ڈاکٹر صاحب کا خطاب سننے کے لئے آئے تھے۔ موضوع گفتگو "عالمی خلافت کی نوید" تھا۔ تقریباً پونے بارہ بجے خطاب شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں فرمایا کہ دنیائے اسلام اور کفر کے درمیان عنقریب فیصلہ کن معرکہ ہونے والا ہے۔ اس معرکہ میں غلبہ اسلام کو حاصل ہو گا البتہ مسلمانوں کو اس جہاد کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی پیشین گوئیاں موجود ہیں کہ قیامت سے قبل پورے کرہ ارضی پر نظام خلافت قائم ہو کر رہے گا اور بعض روایات سے اشارہ ملتا ہے کہ اس عمل کا آغاز سرزمین پاکستان اور افغانستان سے ہو گا جس کے واضح آثار اب نظر آنے لگے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ مغربی جمہوری نظام شرک ہے جس کا خاتمہ نہایت ضروری ہے۔ انقلاب اسلامی کے ضمن میں دینی جماعتوں کے موجودہ کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے افسوس کا اظہار کیا کہ دینی جماعتوں نے انتخابی راستہ اختیار کر کے نفاذ اسلام کو متنازعہ مسئلہ بنا دیا ہے، جس سے نفاذ اسلام کی منزل مزید دور ہوتی جا رہی ہے۔

حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرما رہے تھے کہ موجودہ امریکی نیو ورلڈ آرڈر دراصل جیو ورلڈ آرڈر ہے۔ جس کا اصل مقصد دنیا پر معاشی غلبہ حاصل کرنا ہے۔ وطن عزیز میں انتشار و بدامنی اور لاقانونیت اور قتل و غارت کے واقعات کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اس فرقہ وارانہ تصادم کے پیچھے یہودی سازش کار فرما ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو ٹکڑوں میں بانٹنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وطن عزیز ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں یہودی اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ عالم عرب میں حضرت مہدی کی ولادت ہو چکی ہے جن کی قیادت میں کفر کے خلاف جنگ ہو گی جس میں اس کی مدد کے لئے افغانستان اور پاکستان کے کچھ علاقے پر مشتمل خراسان سے اسلامی لشکر جائے گا۔ اور مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہو گی جس سے اسلام کو عالمی غلبہ نصیب ہو گا۔

ڈاکٹر صاحب کے خطاب اور مسنون عربی خطبہ کے بعد نماز جمعہ ادا کی گئی۔ نماز جمعہ کی امامت مولانا مظفر حسین ندوی صاحب نے فرمائی۔ نماز کے بعد رفقاء نے کھانا کھایا، اور اس کے بعد نماز مغرب تک وقفہ ہوا۔

دوسرا اجلاس

لیاقت باغ میں اجتماع گاہ کے ناقابل استعمال ہونے کے باعث "خلافت کانفرنس" کا دوسرا اجلاس پاکستان کے ممتاز قاری خوشی محمد کی انٹرنیشنل قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد ہی رفقاء اور دیگر شرکاء لیاقت باغ سے قرآن اکیڈمی کے لئے روانہ ہونے شروع ہو گئے۔ نماز مغرب قرآن اکیڈمی کی مسجد ہی میں ادا کی گئی۔ جس کے بعد اکیڈمی کے خوبصورت ہال میں اجلاس شروع ہوا۔ اجلاس کا موضوع "خلافت کی اہمیت اور برکات" تھا سٹیج پر صدر جلسہ ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان محمد حسین انصاری شریف' امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد اور دیگر مہمان مقرر شرکاء کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ایک تو اس لئے کہ "خلافت کانفرنس" میں مختلف مکاتب فکر اور حلقوں کے بلند پایہ اصحاب فکر و نظر کو مدعو کیا گیا تھا اور دوسرے اس لئے کہ راولپنڈی کے شہری ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب سننے کے لئے کثیر تعداد میں چلے آئے تھے۔ اس لئے ہال تنگی داماں کا شاکی تھا اور شرکاء ہال کی سیڑھیوں اور کثیر تعداد میں ہال کے باہر بیٹھے تھے۔ سامعین کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ اکیڈمی کے مین گیٹ سے ملحقہ جگہ میں بجری پر بچھائی جانے والی دریاں بھی پر ہو چکی تھیں۔ اجلاس کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا اور اس کے بعد داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد نے سٹیج سیکرٹیری کی حیثیت سے مختصر افتتاحی خطاب فرمایا جس میں مقررین کا تعارف پیش کیا اور شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت کو اجاگر کیا اور پھر انہوں نے مولانا گوہر رحمان کو خطاب کی دعوت دی۔

مولانا گوہر رحمان

مولانا گوہر رحمٰن مردان سے تشریف لائے تھے۔ آپ مستند عالم دین ہیں اور ایک عرصے تک جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے امیر رہے ہیں۔ مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری تخلیق کا مقصد عبادت ہے اور انبیاء و رسل کی بعثت بھی عبادت کا نظام قائم کرنے اور طاغوتی نظام کو مٹانے کے لئے ہوئی تھی۔ طاغوت گمراہی کے لیڈر کو کہتے ہیں۔ عبادت کے مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے ابن تیمیہ کے حوالے سے انہوں نے فرمایا کہ عبادت ایک جامع نظام ہے۔ اس میں ہر وہ عقیدہ' قول اور عمل شامل ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے' گویا پوری زندگی کو اللہ کے بھیجے ہوئے نظام کے مطابق بسر کرنے کا نام عبادت ہے۔ اور اس عبادت کے لئے خلافت ضروری ہے۔ مولانا فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور (۵۵) میں اہل ایمان سے دو شرائط کے ساتھ خلافت کا وعدہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک ایمان اور دوسری عمل صالح ہے۔ اور عمل صالح میں دین کے لئے منظم جدوجہد کرنا بھی شامل ہے۔ یہ سوال کہ خلافت کیا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے کہا کہ وہ حکومت جو محمد ﷺ کے طریقے کے مطابق چلائی جائے' خلافت ہے۔ محض مسلم گورنمنٹ کو خلافت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ قیام خلافت کے طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں پہلا کام دین کا گہرا فہم حاصل کرنا ہے۔ پھر اس پر عمل کرنا اور تیسرے اسے لوگوں تک پہنچانا اور انہیں منظم کرنا ہے۔ اسی طریقے سے لوگوں میں دین کی پیاس پیدا ہوگی اور جب پیاس پیدا ہو جائے گی انقلاب آ جائے گا۔ انقلاب اسلامی کے حوالے سے مولانا نے اتحاد امت کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرقہ واریت کی شدید مذمت کی اور کہا کہ ازروئے اسلام فروعی مسائل کو تفرق کا ذریعہ بنانا سنت یہود ہے۔ انہوں نے کہا کہ دین قرآن و سنت اور اجماع صحابہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی بنیادوں پر ہمیں متحد ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا سید وصی مظہر ندوی

اگلے مقرر حیدر آباد سندھ سے معروف عالم دین مولانا سید وصی مظہر ندوی تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ خلافت کا اصل الاصول اللہ تعالیٰ کے اقتدار کا تصور ہے۔ یہ تصور کسی قالب میں ہی ظاہر ہو سکتا ہے اور یہ قالب خلافت کا نظام ہے۔ مولانا فرما رہے تھے کہ ماضی میں خلافت کو دقیانوسی قرار دیا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد علمائے کرام نے مغربی جمہوری نظام میں اللہ کی حاکمیت کی پیوند کاری کی بات تو کی لیکن کسی کو یہ کہنے کی جراءت نہیں ہوئی کہ "خلافت" کا نظام قائم کیا جائے۔ انہوں نے واضح کیا کہ لفظ "جمہوریت" میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تصور قائم ہی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کی روح میں پارلیمنٹ کی بالادستی کا تصور گھسا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کو پچاس سال ہو گئے اور قرارداد مقاصد میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی موجودگی کے باوجود یہاں خلافت کا نظام نہیں آ سکا۔ دستور پاکستان کے تضاد کو واضح کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ آئین میں قرارداد مقاصد کو پہلے تو محض دیباچہ کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔ بعد میں اگرچہ اس کو موثر بنانے کا فیصلہ کیا گیا دستور کی دفعہ ۲۲۷ (الف) میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں تمام قانون سازی کتاب و سنت کے مطابق کی جائے گی لیکن اسی دفعہ (۲۲۷) کی شق (ب) میں قرارداد مقاصد اور شق الف کو کالعدم قرار دے دیا گیا جس میں کہا گیا ہے کہ ان تمام باتوں کا نفاذ اس طریقے پر ہوگا جس کا ذکر اس باب (اسلامی دفعات کے ضمن میں) کیا گیا ہے۔ وہ

خلافت کانفرنس کے مہمان خصوصی جناب عمران این حسین کے اعزاز میں ۶/ اکتوبر کی شام کو ایک خصوصی پروگرام بھی ترتیب دیا گیا تھا۔ ان کا یہ خطاب انگریزی زبان میں تھا۔

طریقہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ جو بھی قانون بنائے گی اسے تصور کیا جائے گا کہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہے۔ مولانا نے کہا کہ اس صورتحال کو دور کرنے کے لئے صدر ضیاء الحق نے شرعی عدالت کے قیام کی صورت میں "ناکام" کوشش کی کیونکہ عدالت کے دائرہ کار سے معاشی معاملات معاشرتی اور عدالتی قوانین اور دستور پاکستان کو مستثنیٰ رکھا گیا۔ انہوں نے دینی جماعتوں کو متنبہ کیا کہ خلافت کے لئے مغربی جمہوریت کی بجائے ہمیں اپنے اسلاف اور تاریخ سے ڈھانچہ تلاش کرنا ہوگا ورنہ موجودہ نظام میں خلافت کی روح برقرار نہیں رہ سکے گی۔ مولانا وصی مظہر ندوی نے ایک نہایت اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج دانشوروں کا ایک گروہ یہ کہہ رہا ہے کہ مسلمانوں کی ہر حکومت "الجماعۃ" ہے خواہ وہ کفر بواح کی مرتکب ہی کیوں نہ ہو رہی ہو اس کے ساتھ جڑے رہنا لازم ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ مولانا نے واضح کیا کہ اس سے جڑے رہنے کے بجائے کھلی کافرانہ حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کی جا سکتی ہے البتہ اس کی شرائط کو پورا کرنا ہوگا۔

جناب اکبر ثاقب

مولانا وصی مظہر ندوی کے بعد اخوت اکیڈمی اسلام آباد کے ریسرچ ڈائریکٹر اکبر ثاقب کو دعوت خطاب دی گئی۔ انہوں نے خلافت کے معتقدات سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بامقصد پیدا کیا اور دنیا کی تمام نعمتیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور انسان کو موت کے بعد اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔ آپ فرما رہے تھے کہ اسلامی ریاست کا اہم نکتہ اللہ تعالیٰ کا امر و خلق کا اختیار مطلق ہے۔ اور اسلامی حکمرانوں کے پاس اختیار اللہ کی امانت ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ خلافت شورائی نوعیت کی حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کے فرائض پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ریاست کا اولین فریضہ بما انزل اللہ کے مطابق قانون سازی ہے اس کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر' نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ کا قیام ہے۔ آپ نے زکوٰۃ کو اسلامی نظام معیشت کا عنوان قرار دیتے ہوئے کہا کہ بدقسمتی سے مروجہ فقہی تعبیرات کے اختلاف نے قرآن حکیم سے ظاہر ہونے والے زکوٰۃ کے کلی تصور کو مشکلات سے دوچار کر دیا ہے۔ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس کا اولین اصول یہ ہے کہ وہ پالیسی وحدت انسانی کے تصور کی پاسداری کرے۔ پھر یہ لازم ہے کہ تمام عالم انسانی کو عقیدہ توحید کی بنیاد پر اتحاد کی دعوت دی جائے۔ معاہدوں کی پاسداری کی جائے۔ اسلام دشمن قوتوں سے قومی رازوں کو مخفی رکھا جائے دنیا میں ہر جگہ مظلوم کی دادرسی کی جائے اور خارجہ پالیسی ایسی ہونی چاہئے جس سے قیام امن کے عمل میں مدد ملے۔

مولانا خورشید احمد گنگوہی

اس کے بعد داعی تحریک خلافت نے مولانا خورشید احمد گنگوہی کو خطاب کی دعوت دی۔ مولانا نے خلات کانفرنس کے کامیاب انعقاد پر ڈاکٹر اسرار رحمہ کو مبارک باد دی اور اس کے بعد امت اسلامیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ امت خلافت کے معاملے میں بڑی حساس رہی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد تین دن کے اندر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب عمل میں لایا گیا اور ابوبکرؓ کی حیات کے آخری دنوں میں خلافت کا منصب خالی ہونے سے پہلے ہی حضرت عمرؓ کو بھی نامزد کر لیا گیا۔ اور اس طرح سن ۱۰ ہجری سے لے کر ۶۵۶ ہجری تک خلافت کا ادارہ قائم رہا مگر ۶۵۶ میں خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت کے بعد ۳۵۰ سال تک امت خلافت سے محروم رہی۔ خلافت کے ادارے سے مسلمانوں کی محبت اور وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ شریف حسین نے خلافت ترکیہ سے بغاوت کر کے جب اقتدار پر قبضہ کر لیا تو ایک محضر نامہ تیار کیا گیا جس میں خلیفہ اور خلافت کو غاصب لکھا گیا تھا' ۱۹۱۶ء میں سفرجج کے درمیان اس محضر نامہ کو مولانا محمود الحسن کے سامنے دستخط کرنے کے لئے پیش کیا لیکن مولانا کی عزیمت ہے کہ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ۱۹۱۷ میں مالٹا جیل میں مولانا محمود الحسن کی ایک انگریز افسر سے گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اہل یورپ دو لفظوں سے کانپتے ہیں ان میں ایک "خلافت" اور دوسرا "جہاد" ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب خلافت عثمانیہ کمزور ہو رہی تھی تو ۱۹۲۰ء میں جیل سے رہائی کے بعد مولانا محمود الحسن نے تحریک خلافت شروع کی اور پورے ہندوستان کا دورہ کیا' جس کے نتیجے میں مولانا ظفر علی خان' مولانا شبلی نعمانی' علامہ اقبال اور ہندوستان کے مسلمانوں نے تحریک کا بھرپور ساتھ دیا' انہوں نے کہا کہ باوجود اس کے کہ ہندوستان خلافت عثمانیہ کا حصہ نہیں تھا خلافت کے کمزور ہونے یا تنسیخ پر مسلمان اس لئے احتجاج کر رہے تھے کہ یہ ایک شرعی تقاضا تھا۔ اور یہ تقاضا آج بھی ہے جس طرح نماز روزہ زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح بحالی خلافت بھی فرض ہے۔ مولانا نے ڈاکٹر اسرار احمد کو خراج تحسین پیش کیا کہ انہوں نے تحریک خلافت کا آغاز کر کے پوری امت کو گناہ گار ہونے سے بچا لیا۔ دینی جماعتوں کے موجودہ سیاسی کردار پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے خورشید احمد

گفتگو ہی نے اپیل کی کہ وہ اپنی انتخابی حکمت عملی پر نظرثانی کریں۔ کیونکہ جب تک نظام باطل سے باہر آ کر دینی جماعتیں نظام کو چیلنج نہیں کریں گی۔ اسلام نافذ نہیں ہو سکے گا۔ مولانا تحریک خلافت کے کارکنوں سے کہہ رہے تھے کہ اپنی آواز کو پست مت سمجھئے' ان شاء اللہ آپ کے ہاتھوں ہی اسلام کا قیام اس ملک کا مقدر بنے گا۔ نواز شریف کے خلاف راشدہ کے نظام لانے کے بیان پر ایک حکومتی اہلکار کے اس ردعمل پر کہ "پاکستان میں خلافت کی بات سسٹم کو تباہ کرنے کی بات ہے" مولانا کہہ رہے تھے میں حکومت سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کون سے نظام کے تباہ ہونے کی بات کرتے ہو' انگریز کے ظالمانہ نظام کی!۔ انہوں نے کہا کہ تحریک پاکستان نے تحریک خلافت سے جنم لیا تھا اس لئے پاکستان کا مقدر خلافت ہی ہے۔ انہوں نے پرعزم لہجے میں کہا کہ ہم نے اس ملک میں نظام کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمیں جب بھی مطلوبہ قوت حاصل ہو گئی تحریک خلافت کو دوسرے مرحلے میں داخل کر کے باطل نظام کو گریباں سے پکڑ لیں گے اور نہیں چلنے دیں گے۔

مولانا مختار گل

اگلے مقرر تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل تھے۔ آپ فرما رہے تھے کہ کہ اسلام ظلم کو مٹانے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ دنیا میں ہر شخص ظلم کو مٹانا چاہتا ہے۔ اقوام متحدہ کے قیام کی پشت پر یہی مقصد کار فرما ہے۔ لیکن یہ سوال کہ عدل کیسے قائم کیا جائے اس سے انسانیت آشنا نہیں ہے۔ اور اسی سوال کا جواب قرآن حکیم ہے مولانا نے سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ کے حوالے سے فرمایا کہ شریعت اور پیغمبروں کے بھیجنے کا مقصد ہی دنیا میں عدل قائم کرنا تھا۔ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملکی و بین الاقوامی معاملات کو احکامات الٰہی کے مطابق چلانے کا نام خلافت ہے۔ اور جو لوگ اس نظام کو چلائیں گے خلیفہ کہلائیں گے۔ خلیفہ کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو احکامات الٰہی پر عمل کرنے کا حکم دے۔ جو لوگ عدل و انصاف کے قیام کی راہ میں رکاوٹ بنیں ان کے لئے لوہا اتارا گیا ہے انہیں اس سے سیدھا کیا جائے۔ مولانا فرما رہے تھے آج دنیا میں جو بھی انتشار اور بدامنی ہے وہ ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہے لہٰذا ہمیں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ انہوں نے واضح کیا کہ کسی تنظیم میں اگر کوئی طبقہ دنیا کا طلب گار ہو جائے تو اس کی تعداد کروڑوں میں ہو کر بھی کامیاب نہیں ہو سکتی انہوں نے کہا کہ آج ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہمیں نصرف خداوندی کیوں حاصل نہیں ہو رہی حالانکہ اللہ نے اپنے لشکر کو غالب کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

مولانا سید ہادی علی نقوی

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ممتاز شیعہ راہنما مولانا سید ہادی علی نقوی کو خطاب کی دعوت دی۔ مولانا نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ خلافت شیعہ مذہب کے اصول دین میں ہے۔ اور ہمارے مذہب کی رو سے جو شخص اپنے امام کو نہ پہچانے وہ کفر کی موت مرے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ اس امام سے مراد امام معصوم ہے اگر وہ ظاہر ہو' لیکن اگر ظاہر نہ ہو تو اس سے مراد وقت کا ولی فقیہ اور مجتہد اعظم ہے۔ مولانا نے ڈاکٹر اسرار احمد کی اس بات سے اتفاق کیا کہ پاکستان میں دین اسلام کی بالادستی شیعہ سنی مفاہمت میں مضمر ہے۔ انہوں نے کہا تشیع اور تسنن خلافت کے معاملے میں کل بھی متفق تھے آج بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ گزشتہ سال ڈاکٹر صاحب کی علامہ ساجد نقوی سے ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان میں لازماً (اکثریتی فقہ کے نفاذ کا) ایرانی فارمولا ہی استعمال کیا جائے گا۔ لیکن ابھی یہ بات یوں نہ کی جائے کہ سادہ لوح عوام دشمنوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ یہ سوال کہ تحریک خلافت میں شیعہ برادری کی حمایت کیسے حاصل کی جائے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا فرمانے لگے کہ ڈاکٹر صاحب شیعہ عوام کے مزاج کے مطابق کبھی یہ کہہ دیں کہ ہماری تحریک خلافت شیعہ کی امامت کے لئے جدوجہد کر رہی ہے تو پھر وہ لازماً ڈاکٹر صاحب کا ساتھ دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد نے مختلف دینی جماعتوں کے قائدین کو اپنی دعوت پہنچائی لیکن بدقسمتی سے اکابرین سننے کو تیار نہیں اس لئے اب ڈاکٹر صاحب کو دینی جماعتوں کے کارکنان کے پاس جانا چاہئے۔ مولانا نے تحریک خلافت کے معاونین اور رفقائے تنظیم کو دعوت عمل دیتے ہوئے کہا کہ آپ پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیل جائیے اور خلافت کی آواز کو عام کیجئے۔

جناب عمران این حسین

اجلاس کے آخری مقرر جناب عمران نذر حسین تھے۔ موصوف کا تعلق بنیادی طور پر ٹرینیڈاڈ (جزائر غرب الہند) سے ہے۔ تاہم اب وہ نیو جرسی (امریکہ) میں مقیم ہیں آپ نیویارک اور نیو جرسی کی مسلم تنظیموں کی مشترکہ کمیٹی کے ڈائریکٹر برائے علوم اسلامی ہیں۔ جناب عمران حسین نے کہا کہ آج کا دن تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ خلافت اور احیائے اسلام کے حوالے سے اس وقت واشنگٹن اور یہودی سخت بے چین ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسی طرح گزشتہ سال واشنگٹن میں "MillionManMarch" کا موقع بھی ایک تاریخی واقعہ تھا جب لوئی فاراخان کی پکار پر دس لاکھ افراد اکٹھے ہو گئے تھے انہوں نے کہا کہ اگرچہ لوئی فراخان کا تعلق نیشن آف اسلام نامی گروہ سے ہے جو عالیجاہ محمد کو نبی مانتا ہے' تاہم اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ عوام کو متحرک کرنے کے لئے مظلوموں کو ظالموں کے خلاف جدوجہد پر آمادہ کرنا ضروری ہے۔ اسلامی تحریک کو ایک ایسی حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے جس کی بدولت اسے مظلوم اور کچلے ہوئے طبقات کی نمائندگی کا موقع مل سکے۔ دنیا میں ظلم و استبداد روز بروز بڑھ رہا ہے' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی تحریک کے لئے جدوجہد کے مواقع بھی بڑھ رہے ہیں۔ اگر پاکستان کی اسلامی تحریک کو کامیاب ہونا ہے تو اسے ایرانی انقلاب کی طرف دیکھنا ہوگا۔ جہاں ظلم اور استبداد کے خلاف جدوجہد کامیاب ہوئی تھی۔ اور امریکہ کی حمایت اور ہر قسم کے اسلحے کے باوجود شہنشاہ کو راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ عمران حسین نے کہا کہ آج بہت سی اسلامی تحریکیں اور قائدین کام کر رہے ہیں۔ جن میں سے ایک ڈاکٹر اسرار احمد بھی ہیں جو استقلال اور دیانت کے ساتھ اس راہ میں جدوجہد کر رہے ہیں اور جنہیں اللہ نے علم کی دولت سے نوازا ہے۔ اللہ اس جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانان پاکستان امت مسلمہ کو غلامی اور جبر کی زنجیروں سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کریں گے۔

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت

محمد حسین انصاری کا صدارتی خطاب

مہمان مقررین کی فکر انگیز گفتگو کے بعد ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان' جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری کا صدارتی خطاب تھا۔ ناظم اعلیٰ کہہ رہے تھے کہ آج کے اس اجلاس میں قرآن حکیم کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں ہمارا ایمان اور ہمارا کام اور یہ یقین مزید اجاگر ہوا ہے کہ اس کرہ ارضی کے ہر گھر میں دین اسلام بالآخر داخل ہو کر رہے گا' اور اس کا کریڈٹ ان لوگوں کو

جائے گا جن کی موجودگی میں یہ برپا ہوگا۔ البتہ اس کے لئے کوشش جنہوں نے بھی کی وہ اجر و ثواب پائیں گے۔ جناب محمد حسین انصاری تنظیم کے رفقاء اور تحریک کے معاونین سے کہہ رہے تھے کہ ہمیں اس بات سے بے غرض ہو کر کہ کوئی بات سنتا ہے یا نہیں اپنی سی کوشش جاری رکھنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اسی طریقے سے ان شاء اللہ اللہ کا دین پہلے پاکستان میں اور پھر پوری دنیا میں نافذ ہو کر رہے گا۔ خلافت کانفرنس کا یہ دوسرا اجلاس رات دیر تک جاری رہا۔

خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس

خطاب ڈاکٹر اسرار احمد

نماز مغرب کے بعد خلافت کانفرنس کے سلسلہ کا تیسرا اجلاس تھا۔ اس اجلاس میں مرکزی خطاب امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا تھا۔ جس کا موضوع خلافت کی نوعیت اور قیام کا طریق کار تھا۔

خطاب جمعہ کے تشنہ امور کی وضاحت

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے اصل موضوع سے قبل گزشتہ روز کے خطاب جمعہ سے متعلق بعض تشنہ امور کی وضاحت فرمائی۔ اس ضمن میں پہلی بات انہوں نے یہ کہی کہ از روئے حدیث قیامت سے قبل نظام خلافت کا غلبہ لازماً ہو کر رہے گا۔ لیکن اس سے پہلے عالم عرب میں عظیم ترین جنگیں ہوں گی جن میں بہت بڑی تعداد میں انسان قتل ہوں گے۔ اور عالم عرب کے بعد سب سے بڑے مجرم اہل پاکستان ہیں کہ جنہوں نے اللہ سے اسلام کے وعدے پر آزاد خطہ حاصل کیا' لیکن انہوں نے اللہ سے غداری کی۔ احیائے اسلام کے آغاز سے متعلق انہوں نے فرمایا کہ گمان غالب ہے کہ اسلام کا احیاء سرزمین افغانستان اور پاکستان سے ہوگا۔ اس لئے کہ ۴۰۰ برس سے مجددین امت اسی صنم خانہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں تحریک خلافت چلائی گئی۔ اسلام کے نام پر ملک حاصل کیا گیا' اسی ملک میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی۔ ان حالات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی مشیت اس خطے سے وابستہ ہے۔

خلافت کانفرنس میں
مقررین کے بعض خیالات پر تبصرہ

گزشتہ رات خلافت کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں مقررین کی گفتگو سے اپنے اختلاف کو ڈاکٹر صاحب نے واضح کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ اجلاس میں ایک بات یہ کہی گئی تھی کہ اسلامی انقلاب کے لئے بنیادی شے علم دین ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرما رہے تھے کہ آج علم کی کمی نہیں بلکہ یقین والے ایمان کی کمی ہے۔ اس کے علاوہ تفقہ کا فقدان ہے۔ پھر یہ خیال بھی اس اجلاس میں پیش کیا گیا تھا کہ معاشرہ میں اسلام کی پیاس پیدا ہو جائے تو خود بخود انقلاب آ جائے گا' ڈاکٹر اسرار کہہ رہے تھے "خود بخود" کا فلسفہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ پیاس شدید ہو تب بھی کوشش اور کوئی نہ کوئی اقدام کرنا پڑتا ہے۔ پانی "خود بخود" منہ میں نہیں آ جاتا۔ ایک فاضل مقرر نے کہا تھا کہ جدید اصطلاحات اور نظام کے ساتھ اسلام کی پیوندکاری صحیح نہیں ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یقیناً ہمیں جدید اصطلاحات کے استعمال سے گریز کرنا چاہئے اس لئے کہ ہر اصطلاح کا اپنا خاص مفہوم ہوتا ہے جسے اس اصطلاح سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم انہوں نے کہا کہ اس سے مکمل اعراض صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اگر ہم ہر دور کے لوگوں کے ذہنوں تک رسائی کے لئے اس دور کی جدید اصطلاحات کو استعمال نہیں کریں گے تو ابلاغ نہیں ہو سکے گا۔ اسلام میں کسی اور نظام کی پیوندکاری کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اسلام مکمل نظام ہے۔ یہ جمہوریت اور سوشلزم کی پیوندکاری قبول نہیں کرتا۔ البتہ جس طرح سائنس کے میدان میں ترقی و ارتقاء ہوا ہے اسی طرح تہذیب جدید نے کچھ ادارے Develop کئے ہیں ان اداروں میں سے جو شریعت کے منافی نہیں' انہیں بہرحال قبول کیا جائے گا' اس لئے کہ یہ ادارے تمام انسانیت کی مشترکہ میراث ہے امیر محترم کہہ رہے تھے کہ بلاشبہ مغرب کو دو چیزوں سودی معیشت اور خاندانی ادارے کی تباہی و بے حیائی نے ناکامی سے دوچار کیا ہے لیکن سیاسی ارتقاء کے اعتبار سے مغرب انسانیت کی اعلیٰ ترین سطح کو پہنچ چکا ہے چنانچہ قانون کی حکمرانی' آزاد عدلیہ' انسانی جان و مال کی حرمت' دستور کی پیروی اور قانونی مساوات کے تصورات نے وہیں جنم لیا ہے۔ اس لئے ان خوبیوں کی بنا پر اس سسٹم میں تین چیزیں شامل کر لی جاتیں تو موجودہ سسٹم "خلافت" بن جائے گا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تصور۔
(۲) کتاب و سنت کی غیر مشروط بالادستی اور
(۳) قانون سازی اور خلیفہ کے انتخاب میں غیر مسلموں کی عدم شرکت کا اصول۔

"نظام خلافت کے قیام کا مسنون طریق کار"

کچھ تشریح طلب باتوں کی وضاحت اور مقررین کے بعض خیالات پر تبصرہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے آج کے اصل موضوع پر گفتگو کا آغاز کیا انہوں نے کہا کہ خلافت کا نظام محض دعاؤں' وعظ' تبلیغ اور انتخابات سے قائم نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے نبی کریم ﷺ کے طریقے پر جدوجہد کرنی پڑے گی۔ اس ضمن میں وہ معاملات جو وقت کے ساتھ نہیں بدلے' ان میں کام مکمل طور پر نبی ﷺ کے طریق پر کرنا پڑے گا۔ البتہ وہ معاملات جن میں وقت کے ساتھ تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ ان میں اجتہاد کرنا پڑے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں اس پورے طریقہ کار کو ایک قرآنی اصطلاح "جہاد فی سبیل اللہ" کے حوالے سے بیان کروں گا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جہاد اقامت دین کے لئے ناگزیر فریضہ ہے لیکن ہم مسلمانوں نے تین غلطیوں کی وجہ سے اس کو بدنام کر رکھا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ اولاً ہم نے جہاد کے معنی جنگ قرار دے لئے ہیں' ثانیاً جہاد کو فرائض کی فہرست سے خارج کر دیا' ثالثاً مسلمانوں کی ہر جنگ خواہ وہ اقتدار کے لئے ہو' جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ انسان زندگی کی بقا' جان و مال اور عزت کے تحفظ اور حقوق و آزادی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ یہ سب جہاد ہے' اور اس جہاد میں جان دینے والا شہید ہے۔ لیکن اسے جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہا جا سکتا۔ افغانستان اور کشمیر میں بلاشبہ جہاد ہوا ہے لیکن یہ جہاد حریت ہے' فی سبیل اللہ نہیں۔ اس لئے کہ جہاد "فی سبیل اللہ" کی لازمی شرط یہ ہے کہ اس میں جذبہ محرکہ صرف اللہ کے کلمہ کی سربلندی ہو۔ اور اس کے لئے ایمان حقیقی ناگزیر ہے۔ جہاد کا ایمانیات ثلاثہ سے تعلق واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر انسان میں ایمان باللہ حقیقتاً موجود ہے تو اس کے نتیجے میں لازماً چار چیزیں حاصل ہوں گی۔ (۱) جہاد (۲) تزکیہ ذات (۳) اللہ کے لئے حمیت (۴) توکل علی اللہ اور یہ چار چیزیں ہوں گی تو جہاد "فی سبیل اللہ" ہوگا۔ اسی طرح اگر انسان کو آخرت پر یقین ہے۔ اسے یقین ہے کہ آخرت میں ایک کے بدلے سات سو ملیں گے تو "خود غرضی" کے تحت وہ لازماً جہاد کرے گا' جان و مال کا انفاق کرے گا۔ اسی طرح ایمان بالرسالت کے ساتھ جہاد کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ جہاد بغیر جماعت کے ممکن نہیں۔ چنانچہ نبی نے سمع و طاعۃ کی

بنیاد پر مضبوط اجتماعیت قائم کی۔ اسی طرح آج اسلامی نظام کے قیام کے لئے جہاد کے لئے ایک جماعت سمع و طاعت کی بنیاد پر قائم کرنی پڑے گی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں جماعت سمع و طاعت' ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے۔ اس جماعت کے پاس جب تک کافی طاقت نہیں آتی' اسلامی نظام کی جدوجہد میں ہر قسم کے استہزا' تعذیب اور تشدد پر ہاتھ نہ اٹھائے جائیں بلکہ "صبر محض" کیا جائے اور اپنی قوت بڑھائی جائے' جب قوت ہاتھ آ جائے تو باطل نظام سے تصادم اور ٹکر لی جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ تصادم دو طریقوں سے ممکن ہے ایک دو طرفہ جنگ یا مسلح بغاوت ہے' یہی قتال ہے اور نبی ﷺ کے دور میں یہی مسلح تصادم اور قتال ہوا ہے۔ آج بھی مسلم جنگ فساق و فجار مسلم حکمرانوں کے خلاف جائز ہے۔ لیکن اس مسلح تصادم کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کے اور آج کے دور میں دو اعتبار سے فرق واقع ہو گیا ہے۔ ایک یہ کہ اس وقت یہ تصادم مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تھا' لیکن آج دونوں طرف مسلمان ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس وقت دونوں طرف لڑنے والے رضاکار تھے۔ لیکن آج ایک طرف حکومت کے پاس تنخواہ دار افواج ہیں اور دوسری طرف رضاکار۔ پھر یہ کہ اس وقت دونوں طرف اسلحہ یکساں نوعیت کا ہوتا تھا جبکہ آج فوج تو جدید ترین اسلحہ سے لیس ہے اور عوام نہتے ہیں۔ لہٰذا اس تغیر کی بدولت آج یک طرفہ جنگ کے اصول کو اختیار کرنا پڑے گا۔ جس کے لئے منظم' پرامن احتجاجی تحریک' عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک چلائی جائے۔ حکومت تحریک کے کارکنوں پر تشدد کرے گی۔ ان پر گولیاں چلیں گی' لیکن وہ جواب نہیں دیں گے۔ اس کے نتیجے میں کارکنوں کی شہادت عمل میں آئے گی لیکن اس کے بعد حکومت گھٹنے ٹیک دے گی کیونکہ دور حاضر میں مطالبات لے کر اٹھنے والی تحریک کے کارکنوں کو کثیر تعداد میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر تحریک کی طرف سے بھی گولی چلائی گئی تو فوج کی بے پناہ طاقت سے تحریک کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔ اس لئے آج کے حالات میں کامیابی کا راستہ یک طرفہ جنگ ہے۔ جس کے نتیجے میں لازماً اسلامی نظام قائم ہو جائے گا۔ آخر میں امیر تنظیم نے فرمایا کہ میں انتخابی کھیل سے دور رہ کر اسی راستے سے یہاں نفاذ اسلام کی اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔ اور میں یہ پکار لگا رہا ہوں کہ "من انصاری الی اللہ" اگر آپ کو اس طریق سے اتفاق ہے تو ہمارا ساتھ دیجئے۔

صدارتی خطاب --- مولانا مظفر حسین ندوی

ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے بعد اجلاس کے صدر امیر تنظیم اسلامی آزاد کشمیر مولانا مظفر حسین ندوی کا صدارتی خطاب تھا۔ مولانا نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے جہاد کی جامع و مانع وضاحت کر دی ہے۔ چنانچہ اب جبکہ آپ کے سامنے جہاد کا واضح نقشہ آ گیا ہے' اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے لئے خالص کر لیں اور دین پر عمل کے لئے تیار ہو جائیں اور جہاں تک ہو سکے اس راہ میں اپنی سعی و کوشش کرتے رہیں تاکہ ہماری آخرت بھی سنور جائے اور دنیا کا نظام بھی بہتر ہو جائے تاکہ نئی آنے والی نسلیں خلافت کے نظام کو پا سکیں۔

خلافت کانفرنس کا چوتھا اجلاس (سوال و جواب)

احیاء خلافت کانفرنس کا چوتھا اور آخری اجلاس لیاقت باغ کی اجتماع گاہ میں اتوار ۶/اکتوبر کو صبح ساڑھے نو بجے شروع ہوا۔ اس اجلاس کی حیثیت دراصل سوال و جواب کی نشست کی تھی اور حاضرین کو خلافت کانفرنس کے تینوں اجلاس میں ہونے والے خطابات سے متعلق وضاحت کے لئے سوالات کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان محترم ڈاکٹر اسرار مدظلہ نے لوگوں کی طرف سے پوچھے جانے والے سوالات کے مفصل جوابات دیئے۔ اس نشست پر دوسری عالمی احیاء خلافت کانفرنس کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی' جبکہ تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع نماز ظہر تک جاری رہا جس کا آخری پروگرام رفقاء تنظیم اسلامی سے امیر تنظیم کا اختتامی خطاب تھا۔○○

بقیہ : حدیث امروز

گھر سے باہر کام کرنے والی عورتوں کی تعداد بہت بڑھ چکی ہے۔ گاؤں کی عورت تو پہلے ہی گھر کے اندر اور باہر مردوں کی نسبت کہیں زیادہ مشقت یہ سمجھ کر برداشت کرنے پہ شاکر ہے کہ وہ پیدا ہی ایسا کرنے کے لئے ہوئی ہے' مگر حالات کی سنگینی نے اب شہروں میں بھی عورت کو گھر سے باہر نکلنے پہ مجبور کر دیا ہے۔ کثیر تعداد میں غیر شادی شدہ لڑکیاں اور خاصی تعداد میں شادی شدہ نوجوان خواتین فیکٹریوں' دفاتر اور ٹیلیفون کے محکمہ جات میں ملازمت کرتی ہیں۔ گھروں میں بیٹھے سلائی کڑھائی کا کام کرنے والی عورتیں ان کے علاوہ ہیں جنہیں کام لینے دینے کے لئے بازاروں میں بہرحال جانا ہی پڑتا ہے۔ عورت ملازمت کرنے شوقیہ گھر سے نہیں نکلتی بلکہ مصیبت ماری اذیت ناک تجربے سے اس لئے گزرتی ہے کہ گھر والوں کے گزر اوقات میں مددگار ہو۔ جوں جوں مہنگائی بڑھ رہی ہے توں توں خاتون خانہ پر نفسیاتی دباؤ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مرد طبعاً آزاد منش ہے لیکن عورت فطرتاً فکرمند۔

بے پردہ مخلوط زندگی بھی اخلاقی بگاڑ کا باعث بنی ہے۔ کچھ معاشی مجبوری نے' کچھ دین سے عملاً دوری نے اور بہت کچھ ٹیلی ویژن کی اخلاق سوز نشریات نے دین اسلام کی وضع کردہ انسدادی تدبیر (preventive rules) یعنی پردہ سے قوم کو بے بہرہ کر دیا ہے۔ ٹھنڈے دل سے تجزیہ کیا جائے تو اس غفلت میں بھی مرد کا ہاتھ زیادہ دکھائی دے گا۔ عورت فطرتاً حیادار ہے۔ اسے حجاب سے باہر آنے کو مرد ہی اکساتا ہے اور اسے زیادہ سزا کا حقدار بھی مرد ہی ٹھہراتا ہے۔ نوبت یہاں تک آئی ہے کہ مرد کے جرم کی سزا عورت کو ملے۔ کچھ دن ہوئے ٹیلی ویژن پر عورت سے منسوب ایک پروگرام میں مہمان مقرر نے لودھراں کا ایسا شرمناک واقعہ تفصیل سے بیان کیا کہ پاکستان کا شہری ہونے کے ناطے گردن ندامت سے جھک گئی اور نظریں زمین میں گڑ گئیں۔ انتہائی دکھ کا مقام ہے کہ ماسوائے ایک آدھ نیم جان کالم کے قوم نے اس دل سوز سانحہ کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ واقعہ یوں بیان ہوا کہ ایک بدکردار لڑکے نے کم عمر لڑکی سے زیادتی کی۔ وہاں کی پنچایت نے فیصلہ دیا کہ لڑکی کا والد اپنی بیٹی کا بدلہ لڑکے کی والدہ سے ویسی ہی زیادتی کچھ لوگوں کے روبرو کرتے ہوئے لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مٹھائی بانٹی گئی۔ کہاں گئی ہماری دینی حمیت' کہاں گئے ہماری عدالتوں کے خودکار نوٹس کے اختیارات' کہاں گئی ہماری انسانی غیرت' کہاں گیا اسلام میں عدل و انصاف کا ڈھنڈورا؟ اب تو عورتوں نے خود سوزی کرتے ہوئے عدل و انصاف کی بھیک مانگنے کی ٹھانی ہے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار) پس اے دانشمندو عبرت حاصل کرو۔○○

نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ (این آئی ٹی) کو دانستہ نقصان کا شکار بنایا گیا

یونٹ ہولڈروں میں پنشن یافتہ' بیوائیں' خانہ دار خواتین اور غربا و مساکین شامل ہیں

اردشیر کاؤس جی

جنوری ۱۹۹۴ء میں جب اسد اللہ شیخ کو نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ (این آئی ٹی) کا چیئرمین اور منیجنگ ڈائریکٹر مقرر کیا گیا تو سب اخبارات میں یہ خبر پھیل گئی کہ ناتجربہ کار نوجوان اسد اللہ کو یا تو مسٹر "اے" کنٹرول کریں گے یا "مسٹر زیڈ"....

چنانچہ اس منصوبے یا حادثے کی وجہ سے این آئی ٹی کے حصہ داروں کو دس ملین روپے روزانہ سے فارغ خطی دی جانے لگی۔ ظاہر ہے کہ اس سرمایہ کا فائدہ اس کے نگران شخص کو ہوا ہو گا۔ اس ماہ کے اوائل میں جب انہیں اس عہدے سے فارغ کیا گیا تو وہ اپنے اس مشن کی تکمیل کر چکے تھے۔

یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء کو این آئی ٹی کی ٹرسٹیز کے بورڈ کی میٹنگ میں اس رپورٹ کی نقول تقسیم کی گئیں جو اس ٹرسٹ کے بارے میں سٹیٹ بینک کے گورنر نے جولائی ۱۹۹۶ء میں تیار کی تھی۔ رپورٹ کی یہ تقسیم میٹنگ کے ایجنڈے کی آخری شق "دیگر امور" کے تحت عمل میں آئی تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق اسد اللہ شیخ اور ان کے بورڈ کے بارہ نامزد سرکاری ٹرسٹیز نے سازش کی اور ٹرسٹ کے حصہ داروں کے تقریباً ایک بلین روپے کی واضح اور عیاں غتر بود پر ایکشن لینے کے بجائے اسے نظرانداز کر دیا۔ یہ تمام سرمایہ حصہ داروں نے ٹرسٹیوں کے اعتماد پر جمع کرا رکھا تھا۔

۱۹۹۵ء کے اواخر میں اسد اللہ شیخ نے بورڈ کی منظوری سے چکوال سیمنٹ کمپنی لمیٹڈ کو ۵.۲۵ ملین شیئرز.... فی شیئر ۱۰ روپے کے حساب سے ۵۲۵ ملین روپے فراہم کئے۔ اس وقت مارکیٹ میں چکوال سیمنٹ کے شیئر کی قیمت ساڑھے آٹھ روپے تھی۔ این آئی ٹی نے ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران منافع تقسیم کرنے کے لئے چکوال گروپ آف کمپنیز سے ان کی ۲۹۰ ملین روپے کی سرمایہ کاری پر کوئی رقم حاصل نہیں کی تھی لیکن متذکرہ اقدام سے اس گروپ کی مجموعی سرمایہ پر بورڈ نے ۱۱۷ ملین روپے نقصان اٹھایا جس کا مطلب یہ ہے کہ چکوال سیمنٹ کمپنی اب ۲۰۰۱ء تک این آئی ٹی کے حصہ داروں کو کوئی منافع نہیں دے سکتی۔ سٹیٹ بینک کو علم تھا کہ اس گروپ کا واجب الادا سرمایہ اور نادہندگان کی مالیت قریباً ۵۳۶ ملین روپے ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود متذکرہ بالا کارروائی کر ڈالی۔ چکوال سیمنٹ کے حصص کی قیمت اب ۳.۸۰ روپے فی حصہ ہو گئی ہے۔ کمپنی کی کیپٹل میں نقصان کی مالیت ۳۲۵.۵ ملین روپے ہے۔

جنوری ۱۹۹۶ء میں منیجنگ ڈائریکٹر اسد اللہ شیخ نے ایک غیر درج شدہ کمپنی شون ریفائنری لمیٹڈ کو بورڈ کی منظوری کے بغیر ۴۹ ملین روپے دے دیئے۔ این آئی ٹی کے کسی افسر نے پراجیکٹ کا موقع پر معائنہ نہیں کیا' نہ اس کی قابل عمل رپورٹ کا جائزہ لیا' نہ اس کی تعمیر و تکمیل کی نگرانی کی۔ اس کثیر سرمائے کے معاوضے میں این آئی ٹی کو ریفائنری کے حصص کی فروخت کے وقت ۲۴۴۶۰۰۰ حصص ۲۰ روپے فی حصہ پیش کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے ۱۰ روپے کے عام حصے پر ۱۰ روپے فی حصہ پریمیم کی منظوری کارپوریٹ لا اتھارٹی نے دی۔ جب شون ریفائنری کو یہ سرمایہ دیا گیا تھا تو اس وقت سٹیٹ بینک کو علم تھا کہ شون گروپ کے واجبات اور غیر ادا شدہ رقوم کی مالیت ۱۴۱ ملین روپے تھی لیکن شون ریفائنری کا یہ منصوبہ اب ترک کیا جا چکا ہے۔ اس کو دیا گیا سرمایہ ڈوب گیا ہے۔ این آئی ٹی کے نئے پروفیشنل چیئرمین اور منیجنگ ڈائریکٹر جوان العمر رضی الرحمٰن کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھائے پھرتے ہیں جس کی قیمت کچھ بھی نہیں ہے۔ این آئی ٹی کے یونٹ ہولڈروں میں پنشن یافتہ لوگ' بیوائیں' خانہ دار خواتین' چھوٹی بچیاں کرنے والے لوگ' غربا و مساکین اور پنشن یافتہ سرمایہ دار شامل ہیں۔ ان لوگوں کو دانستہ طور پر نقصان کا شکار بنایا گیا ہے۔ اس عظیم نقصان کے ذمہ دار اور قابل مواخذہ لوگوں میں مندرجہ ذیل شامل ہیں:

☆ ... وزیر اعظم اور فنانس منسٹر آف پاکستان' بے نظیر بھٹو (جو افسر مجاز ہیں) اور ان کا کرپٹ سیکرٹریٹ جس نے معلومات کا باوجود اسد اللہ شیخ کو ٹرسٹ کے اس بلند ترین عہدے پر فائز کیا۔

☆ سٹیٹ بین کے گورنر اور ڈائریکٹر صاحبان' جنہوں نے اپنے فرض منصبی سے اغماض برتا۔ ٹرسٹ کے بورڈ پر جو اعتماد کیا گیا تھا اس اعتماد کو مجروح کرنے پر حکومت نے چیئرمین اور منیجنگ ڈائریکٹر اسد اللہ شیخ (جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آج کل سرے میں آرام کے لئے چھٹی منا رہے ہیں) اور این آئی ٹی کے ٹرسٹیز ایم بی عباسی (این بی پی)' تنویر علی آغا (جی او پی)' شجاع الحسن (ایچ فی ایل)' اسد اللہ خواجہ (آئی سی پی)' محمد علی کھوجا (پی آئی سی ائی سی) حسین لاول (ایم سی بی)' محمد منور (آئی ڈی بی پی)' محمد یعقوب سرا والا (پی آئی سی) اور حسن یوسف (پی بی ایل) کو نامزد کیا:

بلاشبہ عزت مآب گورنر سٹیٹ بینک اس پر لب بستہ اور خاموش رہیں گے۔

(بشکریہ: روزنامہ "ڈان")

قرآن کی فریاد

ماہر القادری

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں ' آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں ' دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے ' اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے ' خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لئے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

یہ مجھ سے محبت کے دعوے ' قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں ' ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں مجھ کو بار نہیں کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں ' مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

منافقت کا مرض قوم میں جڑیں پھیلا چکا ہے

امت مسلمہ کا نصب العین اعلائے کلمۃ اللہ یا نظام خلافت کا قیام ہی ہو سکتا ہے

مولانا وصی مظہر ندوی کی کتاب "تحریک پاکستان اور اسلامی ریاست" مرزا ایوب بیگ کی نگاہ میں

"تحریک پاکستان اور اسلامی ریاست" کسی معین موضوع پر باقاعدہ ایک کتاب نہیں ہے بلکہ محترم وصی مظہر ندوی صاحب کا وہ تحریری انٹرویو ہے جو انہوں نے امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں زیر تعلیم مس عافیہ صدیقی کو دیا تھا۔ ان سوالات و جوابات کا تعلق چونکہ ایسے امور سے تھا جو عمومی دلچسپی کے تھے لہٰذا انہیں اخبارات میں اشاعت کے لئے بھجوا دیا گیا۔ بعد ازاں شبلی کنسلٹنٹ نے انہیں یکجا کر کے شائع کر دیا تاکہ زیادہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔

مولانا نے آغاز ہی میں مسلم قومیت کو پاکستان کے معرض وجود میں آنے کی واحد بنیاد قرار دیا ہے اور اس کے چھ لوازم گنوائے ہیں :

(۱) مسلمان اکثریتی علاقوں پر مشتمل علیحدہ وطن۔
(۲) برصغیر کا ہر مسلمان اس کا اصولی اور نظری شہری ہوگا۔
(۳) اسلام پاکستان کا سرکاری دین ہوگا۔
(۴) اردو رابطہ زبان ہوگی۔
(۵) عالم اسلام کے ساتھ دوستانہ بنیادی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہوں گے۔
(۶) سرمایہ دارانہ جمہوریت نہ آمرانہ سوشلزم بلکہ اسلامی تعلیمات پر مبنی نیا سیاسی اور اقتصادی نظام۔

مولانا قیام پاکستان کے بعد مسلم اور غیر مسلم دو قومیتوں کے نظریہ کو کسی علمی یا فکری دلیل یا خارجی حالات میں کسی تبدیلی کے بغیر دو وطنی قومیتوں (یعنی پاکستانی قوم اور ہندوستانی قوم) میں تبدیل کرنے کو پاکستان میں ہونے والی تباہی کا بنیادی عنصر قرار دیتے ہیں۔ مسلم قومیت کے چھ لوازم میں سے کسی ایک کو بھی نہ اپنایا گیا بلکہ اس کے برعکس کام کیا۔ حالانکہ اس بیمار قوم کا علاج وہی مسلم قومیت کا "آب نشاط انگیز" ہے جس کو جلا دے کر اسلامی نظام کی شراب طہور میں بدلا جا سکتا ہے۔ مولانا نے مسلم قومیت کے جو چھ لوازم گنوائے ہیں جنہیں (بقول مولانا) ردوبدل سے اسلامی نظام میں بدلا جا سکتا ہے لیکن ان کا براہ راست مسلمان عوام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ برسراقتدار اور بااختیار حاکموں کے کرنے کے کام ہیں ایک عام مسلمان نہ اسلام کو سرکاری دین قرار دے سکتا ہے نہ اردو کو رابطہ زبان بنا سکتا ہے نہ ہی خارجہ پالیسی میں اس کا عمل دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ایک ملک میں اگر اسلامی نظام کا قیام نصب العین ہو تو ایک عام مسلمان کا کیا رول ہوگا اور اسے یہ رول ادا کرنے کے لئے کسی رہنمائی اور تربیت کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور اس اعلیٰ و ارفع نصب العین کے حصول کے لئے جو جدوجہد اور جان و مال کا ایثار ہوگا اسے منظم کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔

مولانا کتاب کے صفحہ نمبر ۲۰ پر تحریر فرماتے ہیں "سیاسی ضروریات موقع اور محل سے فائدہ اٹھانے کے لئے مسلم لیگی لیڈروں نے اسلام کے نظام اور قرآن کے دستور کی باتیں بھی کی تھیں اور عوام کو ساتھ ملانے کی غرض سے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے بھی لگوائے تھے لیکن ان امور کو پاکستان کی تحریک میں کوئی فیصلہ کن مقام حاصل نہ تھا"۔

مولانا پہلے فرد نہیں ہیں جنہوں نے مسلم لیگی قیادت پر اتنا سنگین الزام لگایا ہے۔ درحقیقت تحریک پاکستان کے قائدین سے عوام کا قلبی لگاؤ اتنا گہرا اور شدید ہے کہ ہمارے دانشور، مورخ اور محقق حضرات بات کو لپٹے لپٹائے انداز میں کہہ دینے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ وگرنہ اگر یہ بات سچ ہے تو یہ خالصتاً منافقانہ طرز عمل ہے اور یہی منافقت وقت گزرنے کے ساتھ قوم میں بھی گہری سے گہری ہوتی چلی گئی اور آج ہم جس تباہی اور بربادی کے دھانے پر کھڑے ہیں یہ اسی وراثتی منافقت کا نتیجہ ہے کہ آج یہ معاشرہ لاعلاج نظر آتا ہے۔ ہر مخلص پاکستانی مسلمان کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ تھا تو ہندو پہلا وزیر قانون اور قادیانی وزیر خارجہ اور کھلم کھلا سیکولر ذہن رکھنے والا غلام محمد وزیر خزانہ کیوں بنا۔ جماعت اسلامی کے بارے میں مولانا نے بڑا واضح اور مبنی برانصاف موقف اختیار کیا ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ مسلم قومیت جسے مولانا آب نشاط انگیز قرار دیتے ہیں بانی جماعت مولانا مودودیؒ اسے بھی ایک وقت میں تنقید کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔

پاکستان کے بنیادی نظریئے کو نقصان پہنچانے کے حوالے سے مولانا نے تمام جمہوری اور غیر جمہوری حکومتوں کو مورد الزام ٹھہرایا ہے البتہ جنرل ضیاء الحق کو بالخصوص ان کی ذات کے حوالہ سے نہ صرف ان کا دفاع کیا ہے بلکہ اسلامی نکتہ نظر سے ان کے کارہائے نمایاں کی ایک طویل فہرست بھی دی ہے جس میں علماء و مشائخ کی سرپرستی ذرائع ابلاغ کا قبلہ درست کرنا۔ سیرت کانفرنسوں کا انعقاد دستور میں اہم اسلامی دفعات کا اضافہ، جداگانہ طریق انتخاب کا انعقاد، جہاد افغانستان کا عظیم تاریخی کارنامہ، کشمیر میں جہاد آزادی کی بنیاد، سکھوں کی تحریک کی حوصلہ افزائی، ۱۴/اگست کو یوم آزادی کے طور پر جوش و خروش سے منایا جانا وغیرہ وغیرہ۔

اگر ان تمام کارہائے نمایاں پر الگ الگ بحث کی جائے تو یہ بذات خود ایک کتاب کی صورت اختیار کرے گی۔ بہرحال ضیاء الحق کے ان کارہائے نمایاں کے بارے میں ایک دوسرا اور بالکل برعکس نکتہ نظر بھی ہے۔ لہٰذا صرف یہ عرض کر دینے پر اکتفا کیا جا رہا ہے کہ پاکستان پر طویل ترین حکمرانی کے بعد جب وہ منظر سے ہٹے تو منافقت کا مرض قوم میں جڑیں مزید پھیلا چکا تھا اور معاشرے کا بگاڑ اس درجہ تک پہنچ چکا

تھا کہ خود انہیں کہنا پڑا کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ اس لئے کہ جنرل ضیاء الحق جو اسلام پسند انسان تو تھے لیکن اس اسلام کو اپنی کرسی سے ورے ورے رکھتے تھے لہٰذا قوم میں بھی یہ بات پسندیدہ ہو گئی کہ ذاتی مفادات و معاملات پر جو اسلام ضرب نہ لگائے اسے چوموا ور چاٹو لہٰذا ہر سال رمضان مکہ و مدینہ میں گزارو اس کے علاوہ عمرے کروں نعت کی محفلیں منعقد کرو حسن قرآت کے مقابلے کراؤ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن معاش کے معاملہ میں حرام و حلال کے کلچر میں نہ پڑو اور معاشرتی طور پر مغرب کے مقلد بن جاؤ۔

جمہوریت کے بارے میں مولانا نے بڑی کھل کر اور مدلل گفتگو کی ہے اور یہ بات درست محسوس ہوتی ہے کہ مغربی جمہوریت محض کسی ڈھانچے یا انداز حکومت یا کسی مخصوص قسم کے ادارے کا نام نہیں ہے بلکہ جمہوریت ایک طرز فکر ایک فلسفہ زندگی ہے۔ جمہوریت کی اولین اساس یہ یقین ہے کہ جمہور اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات کا فیصلہ کرنے کے مکمل طور پر اہل ہیں اور اپنی راہ عمل متعین کرنے کے لئے اپنی عقل اپنے تجربے اور اپنے علم کے سوا کسی مافوق الفطرت یا خارجی ہدایت کے محتاج نہیں ہیں۔ لہٰذا جمہور جیسا کیسا بھی فیصلہ کر لیں اس کے خلاف رائے رکھنے کا تو حق ہو گا لیکن عمل صرف اور صرف جمہور کے فیصلے کے مطابق ہو گا۔ مغرب نے تو اس کے لئے سیکولرزم کا نظریہ شرح صدر سے قبول کر لیا ہے کہ انفرادی سطح پر جو چاہے عقیدہ رکھو جیسے چاہو عبادت کرو رسم و رواج نبھاؤ لیکن اجتماعی سطح پر Law of the Land وہی ہو گا جو عوام کے منتخب نمائندے اکثریت رائے سے بنائیں گے۔ اس کے برعکس اسلام خود ایک نظریہ اور نظام حیات ہے اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے نہ صرف بحث کرتا ہے بلکہ اٹل قواعد و ضوابط دیتا ہے لہٰذا جمہور کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کے بعد اللہ کو مقتدر اعلیٰ ماننے کی کیا گنجائش ہے اور پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم کرنے کے بعد کتاب و سنت کی بالادستی کیسے قائم کی جا سکتی ہے۔ مولانا نے بلاشبہ ایک اسلامی ملک کے مغربی جمہوریت کو محض بحیثیت سیاسی نظام کے اپنانے کے جن خوفناک نتائج سے آگاہ کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ مولانا مرض کی تشخیص اور علاج کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ اہم ضرورت یہ ہے کہ امت مسلمہ کے لئے ایک نصب العین معین کیا جائے اور یہ نصب العین بعض خصائص کا حامل ہو۔ مثلاً

(۱) امت کی دونوں حیثیتوں' اصولی جماعت اور نسلی قومیت دونوں کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

(۲) تمام لسانی اور علاقائی گروہوں نیز تمام فرقوں کے لئے قابل قبول ہو۔

(۳) تیسرا یہ کہ مسلم امت کی اصولی حیثیت تو مستحکم اور نسلی بنیادوں پر جو غیر اسلامی رسم و رواج امت مسلمہ میں موجود ہیں ان کو اسلام کے مطابق بنانے کے جذبے اور عمل کو تقویت پہنچائے۔ آخر میں یہ کہ فرقہ وارانہ نفرت میں کمی کرے۔

ان خصائص کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ امت مسلمہ کا نصب العین اعلائے کلمۃ اللہ یا نظام خلافت کا قیام ہی ہو سکتا ہے۔ جو مقتدر اعلیٰ صرف اور صرف اللہ کو مانے اور اس کی اطاعت کے تحت باقی سب اطاعتیں ہوں۔

نصب العین کے خصائص کی کمی و بیشی کے بارے میں تو کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے البتہ امت مسلمہ کا نصب العین اعلائے کلمۃ اللہ یا نظام خلافت کا قیام ہو اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا صفحہ نمبر ۶۱ پر لکھتے ہیں کہ نظام خلافت کو قائم کرنے کے نصب العین کو پوری امت کا نصب العین بنانے کے لئے نہایت موثر انداز میں ایک جامع اور ہمہ گیر جدوجہد کی ضرورت ہے۔ جبکہ ایک فرد یا چند افراد یا کسی ایک مسلک سے متعلق اصحاب کی ایک چھوٹی سے جماعت اگر اس کو اپنا نصب العین بنانے کے دعویٰ کے ساتھ میدان میں اترتی ہے تو اس سے نصب العین کو قبول عام کا درجہ حاصل ہونے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

جہاں تک کسی مسلک سے متعلق افراد کا تعلق ہے اس بارے میں تو مولانا سے اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی ایک فرد یا چند افراد کا نظام خلافت کو نصب العین بنا کر جدوجہد کا آغاز کرنے کا متبادل کیا ہے کوئی بڑی سے جماعت نظام خلافت کے قیام کو اپنا نصب العین قرار دے کر یکدم آسمان سے تو نہیں ٹپک پڑے گی۔ اور یہ جو مولانا نے لکھا ہے کہ مختلف تنظیمیں اور جماعتیں اپنے دوسرے اختلافات پس پشت ڈال کر سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اللہ اللہ ایسے تجربات ہم کب تک کرتے رہیں گے۔ ہمیں ماضی کے تلخ تجربوں سے یقیناً سبق سیکھنا ہو گا۔ تحریک نظام مصطفیٰ' متحدہ شریعت محاذ' ملی یکجہتی کونسل' ان سے منفی کاموں کے لئے تو سر جوڑ لئے گئے لیکن ان سب کا انجام باہم سر پھٹول پر ہوا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جتنے گروہ' افراد اور تنظیمیں اس مقصد کو سامنے رکھ کر جدوجہد کر رہے ہیں وہ مل کر اس نصب العین کی اہمیت' افادیت اور ضرورت امت کے سامنے واضح کرنے کے لئے ایک زبردست علمی اور عملی پروگرام مرتب کریں جس پر عمل سب اپنے اپنے طور پر کریں لیکن وقتاً فوقتاً باہمی مشاورت اور کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے مجتمع ہوں پھر ایک ایسا وقت آ سکتا ہے کہ ایک ایسی اجتماعیت قائم کی جا سکے جس میں مختلف رنگ و نسل زبان و وطن اور فقہی مسالک رکھنے والے لوگ شریک ہوں۔ مولانا نیک انسان میں اور نیک لوگوں کی خواہشات بھی نیک ہوتی ہیں۔ لیکن بعض خواہشات نیک ہونے کے باوجود قابل عمل نہیں ہوتیں۔

ایک جماعت ہو ایک منزل اور ایک سربراہ ہو جس کا وابستگان جماعت نے حکم ماننے کا حلف اٹھایا ہو تب بھی منزل کی طرف قافلہ منظم اور احسن طریقے سے چلتا جائے تو بڑی بات ہے بہت بڑی کامیابی ہے چہ جائیکہ مختلف گروہ تنظیمیں اور جماعتیں چاہئے ایک نصب العین ہی کیوں نہ رکھتی ہوں۔ تجربہ بتاتا ہے دنوں میں نہ سہی ہفتوں میں سہی' مہینے نہیں گزر پاتے ان کی مشاورت گاہ رزم گاہ بن جاتی ہے اور جلد ہی کھلم کھلا باہم ایک دوسرے کے خلاف خم ٹھونک کر میدان میں اتر پڑتے ہیں چاہے یہ میدان اخباری بیان بازی ہی کا کیوں نہ ہو اور ٹوٹ پھوٹ کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے۔

مولانا نے خلیفہ یا شوریٰ کا رکن منتخب ہونے کے لئے ایمان و تقویٰ کی جو بنیادی شرط رکھی ہے۔ ظاہر ہے ایک اسلامی ریاست میں قانون ساز اسمبلی کا رکن کسی ایسے شخص کو نہیں بنایا جا سکتا جو سیرت و کردار کے اعتبار سے تہی دست ہو لیکن سوال یہ ہے کہ ایمان و تقویٰ کا سرٹیفکیٹ کون دے گا۔ یہ کلیرنس کہاں سے حاصل ہو گی۔ اور یہ کلیرنس دینے والوں کے بارے میں یہ ضمانت کس طرح حاصل کی جائے کہ وہ ہر قسم کی ترغیب و تحریص کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں گے۔ گو مولانا کی یہ بات بھی درست ہے کہ اسلام میں طلب اقتدار کو پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔ لیکن آج کے دور میں جبکہ ہمارا ایک ایک انتخابی حلقہ مکہ و مدینہ کی اس وقت کی آبادی سے کہیں بڑا ہے کیا عملی طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ نیک و شریعت اور اہلیت کے اعتبار سے مطلوبہ معیار پر پورا اترنے والے شخص یا چند اشخاص کو دوسرے لوگ آسانی

سے چھان پھٹک کر کے پیش کر دیں گے۔

مولانا کتاب کے صفحہ نمبر ۸۶ پر رقم کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا گروہ کو اقتدار مل جائے تو قرآنی اشارات سے جو راہنمائی ملتی ہے اس کے مطابق اس کو اسلامی ریاست کے قیام کے لئے درج ذیل کام کرنے چاہئیں۔ ان امور کی جو فہرست مولانا نے تیار کی ہے اس میں اولاً توحید خالص کی دعوت کو جاری رکھنا ہے۔ ثانیاً غیر اسلامی رائج قوانین کی جگہ بتدریج اسلامی قوانین رائج کرے۔ مزید فرماتے ہیں کہ یکلخت تمام رائج قوانین کی منسوخی مناسب نہ ہوگی جیسا کہ حضرت یوسف علیہ اسلام کے بااختیار بننے کے بعد کئی سال تک دین الملک (شاہی قوانین) کی موجودگی کا ذکر خود قرآن حکیم میں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ۵۷۱ء میں ہوئی اس دور کے بارے میں بہت سے فلسفیوں اور دانشوروں کی یہ رائے ہے کہ یہ وہ وقت تھا جب انسانیت بلوغت کو پہنچی تمام فلسفے جو انسانی ذہن نے جنم دیئے تھے بعد میں انہی فلسفوں کی مختلف تشریحات اور تاویلات ہی ہوئیں ہیں کسی نئے فلسفہ نے جنم نہیں لیا۔ جونہی فرد اور معاشرہ بلوغت کو پہنچا آخری نبی کو آخری کتاب دے کر دنیا میں بھیج دیا گیا اور ۲۲ سال کی قلیل مدت میں اللہ رب العزت نے اپنے آخری نبی ؐ کے ذریعے جزیرۂ نمائے عرب میں اپنا پسندیدہ دین نافذ کرا دیا۔ اور وہ ایک مکمل اور واضح شکل میں کم از کم ۲۵ سال اور بعد ازاں معمولی تحریف کے ساتھ انتہائی کامیابی سے چلا۔ لہٰذا جہاں تک شرعی قوانین کا تدریج کے ساتھ نافذ کرنے کا تعلق ہے وہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل اور سورۂ المائدہ کی اس آیت کے نزول تک "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے"۔ منطق محسوس ہوتا ہے اور ہر باشعور شخص کو اپیل کرتا ہے لیکن اب اگر کسی فرد یا گروہ کو خطہ ارضی میں کہیں اقتدار ملتا ہے تو انہیں تمام غیر اسلامی قوانین کو یک لخت منسوخ کر کے اسلامی قوانین کو نافذ کرتا ہوگا اب اگر کوئی تدریج اختیار کی گئی تو شیطان لعین اور جن و انس میں اس کی دریت کو موقع فراہم کرنے والی بات ہوگی کہ وہ تدریج کے چکر میں اور حکمت و مصلحت کے ہتھیار سے اس فرد یا گروہ کے انتہائی مخلص ہونے کے باوجود ان کا رخ اصل کام سے موڑ دے اور ادھورے قوانین اسلامی نظام کی بدنامی کا باعث بنیں۔ آج کے دور میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے تدریج کی راہ اختیار کرنے کے لئے یوسف علیہ اسلام کی مثال مناسب نہیں ہے اس وقت تک ہر شے ارتقائی مراحل میں تھی اللہ کا پسندیدہ دین اپنی تکمیلی شکل میں ظاہر نہیں ہوا تھا۔ مولانا نے پاکستان میں نفاذ شریعت کے قیام میں ناکامی کی وجوہات بڑے مدلل انداز میں بیان فرمائی ہیں خصوصاً دینی جماعتوں کا انتخابات میں شریک ہو کر حریف اقتدار کی حیثیت سے نمودار ہونا مقصد کے حصول میں واقعتاً ایک بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دینی جماعتیں پریشر گروپ بنا کر منکرات کے خلاف جدوجہد کرتیں تو یقیناً کامیابی حاصل کر سکتی تھیں۔ پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں کے حکمرانوں کو عوامی مزاحمتی تحریک ہی کے ذریعے رخ بدلنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

مولانا نے اپنی تحریروں میں جگہ جگہ بالواسطہ یا بلاواسطہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جنرل ضیاء الحق کی ذاتی شرافت سے ان کے دشمن بھی انکار نہیں کر سکتے البتہ اسلام کے حوالہ سے ان کی نیم دروں نیم بروں پالیسی نے پاکستان میں اسلامی نظام کے مستقبل کو بری طرح متاثر کیا ان کے بعض اقدامات اسلامی اصطلاحات اور اسلامی شعائر کا مذاق بننے کا ذریعہ بنے۔ سچ پوچھئے تو ان کا دور اسلامی ریاست کے قیام کی منزل کو دور کرنے کا باعث بنا۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ خواتین کے کچھ حلقے شریعت کے نفاذ کی کیوں مخالفت کر رہے ہیں مولانا نے اس کی دو صحیح ترین وجوہ بیان فرمائی ہیں پہلی اور بنیادی یہ کہ خواتین کے یہ حلقے معاشرتی مسائل کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات اور ان کی حکمت سے کلیتاً ناواقف ہیں۔ دوسری وجہ تہذیب و ثقافت اور معاشرت میں مغربی فکر و نظر سے ان کی وہ مرعوبیت ہے جو دراصل مغرب کے سیاسی غلبے اور سائنسی ایجادات سے پیدا ہوئی لیکن جس کی وجہ سے اس مخصوص حلقے نے مغرب کے معیار رد و قبول اور اور خیر و شر کو بھی جوں کا توں تسلیم کر لیا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں خواتین کو جو مسائل درپیش ہیں۔ مولانا نے ان کی بڑی صحیح اور متاثر کن تصویر کشی کی ہے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی اس تصویر کے حسن کو بگاڑے گی۔

بقیہ : سفر امریکہ

ارشاد فرمایا' پیغمبر خدا حضرت محمد ؐ نے رنگ و نسل' خاندان' ذات پات' امیر و غریب' حاکم و غلام سے بالاتر ہو کر مسلمانوں کو آپس میں بھائی چارے اور خلوص و محبت کا درس دیا۔ محسن انسانیت ﷺ کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے قبل پوری دنیا جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا' ظلم و جبر کا دور دورہ تھا' مگر نبی کریم ؐ کی ذات مبارکہ نے خداوند قدوس کے دین اور اس کے احکام کو اپنے عمل' قول اور فعل سے مسلمانوں میں اس طرح پھیلایا کہ پھر مظلوموں کو ظالم کے خلاف بات کرنے کے لئے زبان ملی۔ آپ ؐ نے غلاموں کو آقا بنا دیا اور بڑے بڑے جابروں اور ظالموں میں انسانیت کی روح پھونک دی۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا' آپ ﷺ دنیا کی وہ واحد ہستی ہیں جنہوں نے پیغمبری میں بندگی کا مظاہرہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کریں' اسے اپنا شعار بنائیں اور فلاح دارین سے ہمکنار ہو کر دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوں۔

سکرامنٹو کی مسلم کمیونٹی اپنے بزرگ ساتھی جناب قوی خان کی شکر گزار ہے کہ انہوں نے شدید بیماری کے باوجود ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو سکرامنٹو تشریف لانے کی دعوت دے کر یہاں کے مسلمانوں کو ان کی ذات سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔ اللہ قوی خان صاحب کو مکمل صحت عطا فرمائے' آمین۔

☆☆☆☆☆

جرائم کی شرح

ڈونیکا ' فن لینڈ' نیوزی لینڈ' سویڈن' کینیڈا' ڈنمارک' ہالینڈ' برمودا' آسٹریلیا اور جرمنی میں دنیا میں سب سے زیادہ جرائم ہوتے ہیں' جن کی شرح ایک لاکھ کی آبادی میں ساڑھے چھ ہزار سے اٹھارہ ہزار تک ہے۔ فرانس' برطانیہ اور امریکہ بھی کسی سے کم نہیں' وہاں بھی اتنی آبادی میں پانچ سے سات ہزار تک جرائم ہوتے ہیں لیکن بدنام پاکستان اور بھارت ہیں جہاں آبادی کے تناسب سے جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں اور ایک لاکھ کی آبادی میں پانچ سے دس تک جرائم ہوتے ہیں۔OO

بقیہ : لمحہ فکریہ

مایوسی کی تاریک رات میں ایک چراغ کی روشنی ہی غنیمت ہے۔ حضرت جعفر صادقؒ کے بقول "قسم ہے اس پروردگار کی جو اندھیرے کا وزن جانتا ہے" اور یہ وزن اتنا ہے کہ انسان کے جذبات و احساسات پر بالعموم اپنے تخریبی اور منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

امید کی اس کرن کو ڈھانپنے کے لئے سیاہ بادلوں کی یلغار شروع ہو چکی ہے' مغرب سے "بنیاد پرستی" کا ہوا کھڑا کیا جا رہا ہے' خواتین کو اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے کی ہدایات پر پاکستان کے "روشن خیالوں" کی آواز کافی بلند ہونے لگی ہے' پاکستان کی وزیر اعظم صاحبہ نے بھی طالبان کو "سمجھانے" کا عندیہ دیا ہے۔ ان "روشن خیالوں" میں اکثریت اس گروہ کی ہے جن کا سارا زور اسی بات پر ہے کہ خواتین کو کم سے کم لباس استعمال کرنا چاہئے اور مردوں کے "دوش بدوش" ملازمت کرنی چاہئے اور اس گروہ کے "دوش بدوش" مغرب زدہ خواتین ایک طرف تو ملازمت کے مساوی حقوق طلب کرتی ہیں اور دوسری طرف وہ "تحفظات" اور "مراعات" کی بھی خود کو مستحق سمجھتی ہیں اور نام نہاد "اسلامی ممالک" کا میڈیا بھی ان کی پشت پر ہے ان میں پرنٹ اور الیکٹرونک دونوں میڈیا شامل ہیں۔ ایک سابق سیکرٹری خارجہ نے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بجا طور پر "ڈش انٹینا" کو "شیطانی چھتریاں" قرار دیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو پاکستان ایک انتہائی بحران سے گزر رہا ہے اور پاکستان ہی کیا "اسلامی ممالک" اس بحران کی لپیٹ میں ہیں اور اس کی بنیادی وجہ شاعر مشرق کے بقول "خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں" اور ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول مسلمانوں کی بھاری اکثریت اسلام کو "عقیدوں کی پوٹلی" سے زیادہ اہمیت دینے کے لئے عملی طور پر تیار نہیں' وہ اللہ اور رسولؐ کے تابع ہونے کے لئے نہیں بلکہ قرآن کو اپنی مصلحتوں اور ذاتی سہولتوں کے لئے استعمال کرنے کے عادی ہو چکے ہیں اور یہ عادت ان کے رگ و پے میں "ہیروئن" کے نشے کی طرح اس طرح سرایت کر چکی ہے کہ وہ چاہیں بھی تو اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے ایک انقلاب ہی مسیحا کا کردار ادا کر سکتا ہے اور پاکستان سمیت دوسرے "اسلامی ممالک" کے جو حالات ہیں وہ مستقبل قریب میں ایک ایسے خونیں انقلاب بلکہ "انقلابات" کے متقاضی ہیں جو پورے معاشرے کی ہمہ گیر تطہیر کرے اور خدشہ ہے کہ افغانستان کی طرح پاکستان بھی ان "انقلابات" کی زد میں ہے جن میں فرانس' چین اور ایران کے انقلابات میں کارفرما عناصر بیک وقت بھرپور حصہ لیں گے۔ توقع تھی کہ ایران جہاں آیت اللہ خمینی کی قیادت میں آنے والا اسلامی انقلاب صدیوں کی تشنہ روح انقلاب کو سیراب کر دے گا لیکن آیت اللہ خمینی کے بعد ایرانی انقلاب بھی ہمہ گیر اسلامی انقلاب کی بجائے خود کو محض ایک فرقے کا انقلاب ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے جو کبھی اپنے محدود مفادات کے لئے بھارت سے پینگیں بڑھانے کی کوشش کرتا ہے تو کبھی وسط ایشیا اور افغانستان میں وہی کردار ادا کرنے کی سعی کرتا ہے جو شاہ ایران کے پیش نظر تھا۔

بقیہ : مکالمہ

یہ ہے کہ مغربی دنیا کی ناراضگی کے خوف سے وہ ٹیکنالوجی سے متعلق منصوبوں پر مناسب توجہ نہیں دیتے۔ مسلم ممالک میں تحقیق و ترقی کے منصوبوں پر کل قومی پیداوار کا ایک فیصد سے بھی کم حصہ خرچ کیا جاتا ہے' جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح دو فیصد سے ڈھائی فیصد تک ہے۔ اصل میں اس حقیقت کا ادراک ہی نہیں کیا گیا ہے کہ تحقیق و ترقی کے منصوبوں سے ہی معاشی خوشحالی وابستہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شعبے میں طویل المعیاد سرمایہ کاری کی جانب توجہ نہیں دی جاتی۔ کسی ملک میں سائنسی تحقیق کو ناپنے کا ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ وہاں مختلف موضوعات پر کتنے مقالات لکھے جا رہے ہیں۔ دنیا بھر کے تحقیقی مقالات کا کم از کم سات فیصد حصہ مسلمان ممالک کی طرف سے آنا چاہئے' لیکن اس وقت یہ شرح محض اعشاریہ ۵ فیصد ہے' جو کئی ترقی پذیر ممالک مثلاً بھارت سے بھی کم ہے۔

☆ کیا آپ کے خیال میں مسلمانوں کی تاریخ کا سنہرا دور یعنی ۷۵۰ء سے ۱۱۰۰ء جیسا زمانہ دوبارہ آ سکتا؟

○ میں بنیادی طور پر رجائی ہوں اور مل جل کر کام کرنے پر یقین رکھتا ہوں۔ ایک دور تھا جب ایک سائنس دان تنہائی میں بیٹھ کر بڑے بڑے کام کر لیتا تھا' لیکن وہ دور گزر چکا ہے۔ آج کے زمانے میں سائنسی ایجادات اور ترقی کے لئے ضروری ہے کہ مختلف شعبوں میں مہارت رکھنے والے افراد اپنی صلاحیتوں کو مجتمع کریں' جدید ترین تجربہ گاہیں قائم ہوں' اور سائنس دانوں کے مابین تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن سب سے اہم شے حکومتوں کی طرف سے تائید اور حوصلہ افزائی ہے۔ مسلمان ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے گرتے ہوئے معیار کو دوبارہ ترقی کی طرف لے جانا ایک بہت مشکل کام ہے۔ اس کے لئے ایک طویل عرصے تک مسلسل اور منظم جدوجہد کی ضرورت ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ مسلمان سائنس دانوں کو مل جل کر ایک نظم کے ساتھ کام کرنا چاہئے اور آپس میں تعاون پیدا کرنا چاہئے تاکہ مختلف ممالک کے ماہرین ایک دوسرے کی تحقیقات سے مستفید ہو سکیں۔ اس طرح کے سائنسی تعاون کا یہ مطلب بھی ہے کہ معاشی وسائل کو مل جل کر زیادہ موثر طریقے سے کام میں لایا جائے تاکہ مغرب پر انحصار کی لعنت سے چھٹکارا پایا جا سکے۔

میں یہ ہرگز نہیں کہہ رہا کہ مغربی علوم اور فنی مہارت کے لئے ہم اپنے دروازے بند کر لیں' اس لئے کہ تقریباً تمام سائنسی معلومات تو وہیں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم مغرب پر انحصار نہ کریں۔ ہمیں اپنے مقاصد کو خود حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے تاکہ ہم اپنے مستقبل کی تعمیر خود کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ کسی ایک مسلم ملک میں ایک "سائنس سٹی" اور جدید ترین نوعیت کا ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے تاکہ مختلف شعبوں سے متعلق سائنسدان اپنی مہارت اور صلاحیت کو جمع کر سکیں۔ اس قسم کے منصوبے تقریباً تمام ترقی یافتہ ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ میرے مجوزہ منصوبے پر صرف ایک نہیں بلکہ کئی مسلم ممالک مل جل کر کام کریں گے۔

آج اکثر مسلمان ممالک کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔ اپنے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنا صرف دفاع اور تجارت میں خود کفالت کے ذریعے ممکن ہوگا اور اس کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کا ایک وسیع البنیاد inforstructure قائم کرنا لازم ہے۔○○

حضرت مہدی کے بارے میں کوئی خلاف عقل یا مخالف قوانین طبعی بات نہیں

"غیر فاطمی" نے جب بھی مہدی موعود ہونے کے خواب دیکھے یا دعویٰ کیا وہ صریح تضاد کا شکار ہوا

مرزا ندیم بیگ

بحیثیت امت یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے قرآن کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے جبکہ قران کی تعلیمات ہماری رہنمائی زندگی کے ہر گوشے میں کرتی ہیں۔ معاشرے کے اندر انتشار و افتراق کی کیفیت کو روکنے کے لئے قرآن کا یہ اصول ہے کہ کسی بات کو بغیر تحقیق کے آگے مت بیان کرو لیکن انتہائی افسوسناک کیفیت یہ ہے کہ آج امت کے رہنما طبقے میں بھی یہ اصول مفقود نظر آتا ہے۔

گزشتہ دنوں نامور دینی سکالر امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کے امام مہدی کی ولادت سے متعلق ایک اخباری بیان پر علماء کرام کا شدید ردعمل سامنے آیا ہے اور بے بنیاد شبہات کا تذکرہ کیا گیا کچھ نے یہ کہا کہ شاید ڈاکٹر صاحب اپنے آپ کو "مہدی" قرار دینا چاہتے ہیں اور کچھ نے کچھ اور کہا ہے۔

اول الذکر شبہ کے متعلق ڈاکٹر صاحب اپنی تالیف "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل" میں مفصل جواب (صفحات ۱۱۰، ۱۱۱) دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "اگرچہ اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دینا ہی کافی ہے تاہم شاید اس پر مستزاد یہ وضاحت مفید ہو کہ جن احادیث میں یہ خبر دی گئی ہے کہ جب مسلمانان عرب پر شدید مصائب کا دور آئے گا اللہ تعالیٰ انہیں ایک مومن و متقی اور باہمت و باصلاحیت قائد عطا فرمائے گا جو دشمنوں کے مقابلے میں ان کی سپہ سالاری کے فرائض باحسن وجوہ سرانجام دے گا۔ ان ہی میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ وہ قائد موعود نبی اکرم ﷺ کی عترت یعنی حضرت فاطمہ ؓ کی اولاد میں سے ہو گا جبکہ میں اپنے بارے میں اب سے چھ سات سال قبل اپنی تالیف "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" (صفحات ۱۰۹، ۱۱۲) میں صراحت کر چکا ہوں کہ اگرچہ میری والدہ مرحومہ صدیقی یعنی حضرت ابوبکر ؓ کی نسل سے تھیں لیکن میرا ددھیال خالص ہندی الاصل ہے لہٰذا میرے لئے تو یہ دروازہ بند ہے ہی میرے نزدیک تو آج تک جس "غیر فاطمی" نے کبھی مہدی موعود ہونے کے خواب دیکھے یا دعویٰ کیا وہ صریح تضاد کا شکار ہوا کہ اس نے حضرت مہدی کی بشارت تو احادیث نبوی ؐ سے اخذ کی لیکن ان کے خصائص اور حسب نسب کی ان تفاصیل کو سرے سے نظرانداز کر دیا جو ان احادیث میں وارد ہوئی ہیں"۔

اب ان لوگوں کو جائزہ لینا چاہئے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں بے بنیاد شبے کا اظہار کر کے نہ جانے کتنے لوگوں کو بدظن کیا حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے "امام مہدی" کی ولادت کے بارے میں اظہار خیال احادیث نبوی ؐ میں وارد شدہ حالات و واقعات کی روشنی میں کیا ہے جیسے قیامت کے معین وقت کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں اور لوگوں کے قیامت کے وقت معین کے سوال پر نبی آخر الزماں ؐ کا جواب بھی نفی میں ہوتا تھا لیکن بعض علماء قرب قیامت سے متعلقہ احادیث میں وارد شدہ حالات سے یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ قیامت آنے والی ہے بعینہٖ ڈاکٹر صاحب نے احادیث نبوی ؐ کی روشنی میں حضرت امام مہدی کی ولادت کے متعلق اپنے اندازے کا اظہار کیا ہے کوئی حتمی و قطعی رائے نہیں دی۔ ہمیں یہاں اس امر کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ امت کے اندر اس وقت دو گروہ ان احادیث نبوی ؐ کو (جو دور ابتلاء میں امت کے لئے امید کی کرن ہیں) لوگوں کی نظروں سے اوجھل کرنے میں مصروف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی تالیف "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل" کے صفحات (۱۱۱، ۱۱۲) پر رقم طراز ہیں کہ "راقم کے نزدیک تو ایمان بالرسالت کا تقاضا یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد شدہ تمام خبروں کو تسلیم کیا جائے خواہ وہ عام عقل انسانی اور اب تک کے دریافت شدہ قوانین طبعی کے خلاف کیوں نہ ہو' لہٰذا حضرت مہدی کے بارے میں کسی شک و شبہ کا کیا سوال جبکہ ان کے ضمن میں تو کوئی خلاف عقل یا مخالف قوانین طبعی بات کم از کم احادیث نبویہ ؐ میں موجود نہیں ہیں۔

تاہم حضرت مہدی کے معاملے میں راقم کی اصل دلچسپی اس حدیث کی بنا پر ہے جس میں یہ خبر دی گئی ہے کہ بلاد مشرق سے ان کی مدد کے لئے فوجیں جائیں گی تو کاش کہ راقم اور اس کے ساتھ جمیع پاکستان اپنا تن من دھن اس ارض پاکستان میں جو بلاد مشرق میں واقع ہے اسلامی انقلاب برپا کرنے میں کھپا دیں تاکہ نہ صرف اس سرزمین میں جہاں سے "میر عرب" صلی اللہ علیہ وسلم کو بقول اقبال ٹھنڈی ہوا آئی تھی خلافت علی منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہو جائے بلکہ پھر یہیں سے مسلمانان عرب کی مدد کا سامان فراہم ہو سکے"۔

آخر میں گزارش ہے کہ جنہوں نے بغیر تحقیق کے محض اخباری خبر کو بنیاد بنا کر تہذیب کے دامن کو چھوڑ کر ڈاکٹر صاحب کے بارے میں گمراہی اور خود مہدی موعود ہونے کے دعووں کے شبہات کا اظہار کیا اور پھر انہی شبہات کی بنیاد پر فتوؤں کی بھرمار کی خدارا قوم کو بے بنیاد باتوں پر دین سے برگشتہ کرنے کا باعث نہ بنیں بلکہ اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کے لئے صرف کریں اور قوم پر اس نظام کی برکات و انعامات کو آشکار کریں۔

(روزنامہ "پاکستان" ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

امیر تنظیم اسلامی کا ایک نہایت جامع درس قرآن

بعنوان:

اطاعت کا قرآنی تصور

کتابی شکل میں دستیاب ہے

صفحات ۴۴، قیمت ۷ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

سفر امریکہ

امریکہ کی سرزمین پر تعمیر ہونے والی پہلی مسجد حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی

ڈاکٹر اسرار احمد کا سکرامنٹو میں سیرت النبیؐ کے جلسے سے خطاب

لاس اینجلس سے شائع ہونے والے خبرنامے "پاکستان لنک" ۲۳/اگست ۱۹۹۶ء میں شائع شدہ سلیم شاہ خان کی رپورٹ

برصغیر پاک وہند کے نامور اسکالر اور مفکر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو لوگ ان کی تصانیف و تالیفات اسلامی تحریک' تفسیر' اسلامی موضوعات پر آڈیو ویڈیو کیسٹ اور ایک مدبر وعالم کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اسلامی دنیا' خصوصاً پاکستان میں آپ کی خدمات نہ صرف ناقابل فراموش ہیں بلکہ آپ کی ذات اور خدمات مسلمانوں کے لئے باعث افتخار بھی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی دینی تحریک' علم و عمل' تہذیب و ثقافت اور عظمت انسانی کی نقیب ہے۔ آپ کی زندگی کی دیرینہ خواہش ہے کہ پاکستان میں حقیقی معنوں میں اسلامی نظام قائم اور نافذ ہوجائے۔ آپ عالم اسلام کے اتحاد کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے آپ نے ۱۹۷۵ میں "تنظیم اسلامی" کی بنیاد لاہور میں رکھی اور خلافت محمدی ﷺ کے نظام کے قیام کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنالیا۔

محترم اسرار احمد صاحب پیشے کے اعتبار سے میڈیکل ڈاکٹر ہیں لیکن ۱۹۷۰ میں دینی سربلندی کی جدوجہد کی خاطر اپنے پیشے کو خیرباد کہہ کر انہوں نے اپنی تمام تر توجہ انہی دینی مقاصد کے حصول پر مرکوز کردی ہے۔ انہوں نے دنیا بھر کے دورے کئے ہیں اور جگہ جگہ مسلمانوں کے دلوں میں دین کی شمع روشن کرنے کی کوشش کی۔ یہ ان کا امریکہ میں سولہواں دورہ ہے۔ اس بار یہاں ان کا قیام دوماہ کے لئے ہے۔

یہ سکرامنٹو کے لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد پہلی مرتبہ یہاں چار اگست کو ایک محفل سیرت النبی ﷺ میں شریک ہوئے۔

آج مسلمان ذہنی طور پر انتشار کا شکار ہیں۔ دھوکا کھاتے ہیں اور دھوکا دیتے ہیں۔ ہمارا پورا معاشرہ تعصبات اور کرپشن کا ڈھیر بن چکا ہے۔ حاکم ظالم' انصاف کے دروازے بند' مستقبل اندھیرے ہیں۔ عرب وعجم میں رات کی سیاہی کی طرح مایوسی کا دور دورہ ہے کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی ایسے میں ڈاکٹر اسرار احمد جیسے بلند کردار رہبر کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ ملک اسلام کے ایسے لوگوں سے خالی ہوتا جارہا ہے۔

ماہ ربیع الاول ایک تاریخی مہینہ ہے اور امریکہ کی سرزمین پر پہلی مسجد چھ سو افراد کے اجتماع سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور مسجد کے میناروں سے ڈاکٹر اسرار احمد کی پر سوز آواز سیرت النبیؐ کے ذکر سے پر نور چاروں طرف گونج رہی تھی۔ آپ نے

(باقی صفحہ پر)

Dr. Israr Addresses Gathering in Sacramento

By Saleem Shah Khan

SACRAMENTO, CA: "Today is an important day for the Muslim community of Sacramento; it is a great pleasure and privilege that we have Dr. Israr Ahmed with us tonight, a world renowned Islamic thinker and scholar from Pakistan.

"The Sacramento community is very thankful to you for giving us this opportunity to meet with you," said Dr. Najime Minhaj president of the Muslim Mosque association in his opening statement. Along with other office bearers who were there to welcome the distinguished guests, everything was well organized on the evening of July 24, 1996 at the Sacramento Muslim Mosque.

The program started with recitation of the Holy Qur'an by the Imam of the Sacramento Mosque, Mumtaz Qasmi.

Dr. Israr Ahmed, currently visiting the U.S.A for the next two months, is known to many for his lectures and Qur'an lessons through hundreds of audio and video tapes available around the globe, as well as through his books. Dr. Israr is basically a medical doctor, who completed his MBBS in 1945 at King Edward College, Lahore, and later completed his masters in Islamic studies in Karachi.

In 1954 he joined Jammat-e-Islami of Pakistan. He left Jammat in 1957 because of disagreements over Jammat's methodology and over their indulgence in the power politics of Pakistan.

In 1975 he founded "Tanzeem-e-Islami" to establish the "Deen of Allah" through a truly revolutionary process derived from the Seerah of the prophet Muhammad (PBUH). He gave up his medical practice in 1970 and since then has devoted all his time to the study and teaching of the Qur'an. His aim is to bring about a true Islamic revolution based on the Qur'an and Sunnah, and to establish the system of "Khilafah."

The featured speaker and a recognized leader in his field, Dr. Israr Ahmed, encouraged the audience by speaking on "Establishing Deen in Today's Turbulent World as the Duty of Every Muslim." We must mobilize ourselves and all our efforts to demonstrate Islamic unity and the Sunnah. He said that Muslims are able to show mankind that Allah's Deen is supreme. It is our duty to establish the Deen that the Muslim Ummah has forgotten.

He went on to say that he believes that to gain *Iman*, to establish Islam in one's individual life, and to spread the message of Deen of Allah it must be through a well structured and disciplined organization.

The event was attended by about 400 members of the community. Sacramento Muslims would like to extend their appreciation to Mr. Qavi Khan for arranging Dr. Isra'sr visit to Sacramento.

(باقی صفحہ ۲۱ پر)